ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

(الحدید : ۲۵)

اتفاق فاؤنڈریز لمیٹڈ

۳۲ - ایمپرس روڈ - لاھور

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ : ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

جاری کردہ : ڈاکٹر محمد رفیع الدین، ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی : ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی،

معاون مدیر : حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

شمارہ : ۹	نومبر ۱۹۸۵ء بمطابق صفر المظفر ۱۴۰۶ھ	جلد ۴

یکے از مطبوعات

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن۔لاہور ۱۴

فون : ۸۵۲۶۱۱

مضمون نگار حضرات کی آرائے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

فہرست

★ حرفِ اوّل ———— ۴
ادارہ

★ حکم وعبر ———— ۵
عجب وخود پسندی - دورِ حاضر کا سنگین مرض
مولانا سعید الرحمٰن علوی

★ الٓمّٓ (آخری قسط) ———— ۱۲
'سورۃ آلِ عمران'
ڈاکٹر اسرار احمد

★ امتِ مسلمہ کے لیے لائحۂ عمل ———— ۱۹
سورۃ آلِ عمران آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں
ڈاکٹر اسرار احمد

★ ہدایت القرآن (۴) ———— ۲۸
مولانا محمد تقی امینی

★ حیاتِ سلیمانی کا ایک اہم ورق ———— ۳۲
سید سلیمان ندوی اور ادارہ 'الہلال'
ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

★ سیرت وسوانح ———— ۴۹
حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ
نصرت علی اثیر

سالانہ زرِ تعاون - /۳۰ روپے　　فی شمارہ - /۳ روپے
مطبع: آفتاب عالم پریس ہسپتال روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ اوّل

نومبر ۸۵ء کا "حکمتِ قرآن" پیشِ خدمت ہے ۔ اللہ کا فضل و کرم ہے کہ مجموعی طور پر "حکمتِ قرآن" کی اشاعت میں بہت حد تک باقاعدگی پیدا ہو چکی ہے اور اگرچہ ابھی تک ہم قارئین کی وہ شکایت تو پورے طور پر رفع نہیں کر سکے جو اشاعت میں تاخیر سے متعلق ہے۔ تاہم یہ امر بھی باعثِ اطمینان ہے، پرچہ ہر ماہ شائع ہو رہا ہے اور قریباً مہینے کے وسط تک قارئین تک پہنچ جاتا ہے۔

حکمتِ قرآن کے مستقل سلسلہ وار مضامین میں سے "الٓمٓ" اس شمارے میں اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ چند سال قبل ماہِ رمضان میں پاکستان ٹیلی ویژن سے الٓمٓ کے زیرِ عنوان محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی سلسلہ وار تقاریر نشر ہوتی تھیں، اکثر قارئین کے علم میں ہے کہ ان تقاریر میں قرآن مجید کی اُن سورتوں کا انتخاب کیا گیا تھا جن کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ اور ایسی سورتوں کی کل تعداد چونکہ ۲۹ ہے لہٰذا یہ بڑی عمدہ شکل بن گئی تھی کہ روزانہ ایک سورۃ کا بیان ہوتا تھا اور اس طرح ماہِ رمضان المبارک کے دوران یہ بڑی خوش اسلوبی سے اُن تمام سورتوں کا بیان مکمل ہو گیا جن کا آغاز حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے ۔ ہم نے اِن تقاریر کو فروری ۸۳ء میں سلسلہ وار شائع کرنا شروع کیا تھا اور اِس شمارے پر اِس سلسلے کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اللہ نے چاہا تو جلد ہی اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے گا ـــــ پچھلے چند ماہ سے "حکم و عبر" کے مستقل عنوان کے تحت مولانا سعید الرحمٰن علوی صاحب نے حالاتِ حاضرہ کی مناسبت سے حکمتِ قرآن میں تذکیری مضامین کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ جس کی افادیت کو قارئین نے بخوبی محسوس کیا ہو گا۔ ـــــ سیرت و سوانح کے عنوان سے ایک نیا سلسلہ مضامین اِس ماہ سے ہم شروع کر رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی سیرت پر ایک مفصل مقالہ موصول ہوا ہے۔ جو نہایت

دقیع اور محققانہ ہے۔ اس مقالے کی پہلی قسط اسی شمارے میں قارئین کی نظر سے گزرے گی۔ اُمتِ مسلمہ کے لیے لائحہ عمل کے عنوان سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے چند ماہ قبل عالمگیر مسجد کراچی میں ایک جامع تقریر کی تھی جسے ہمارے بزرگ رفیق کار محترم شیخ جمیل الرحمٰن صاحب نے ٹیپ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا۔ اس تقریر کو ان شاء اللہ حکمت قرآن میں بالاقساط شائع کیا جائے گا۔ پہلی قسط اسی شمارے میں شامل ہے۔

بقیہ 'الٓمٓ'

اب تا قیامِ قیامت تمہیں ادا کرنے ہیں، اب شخصاً کوئی نبی آنے والا نہیں ہے، کوئی شخص رسُول اب مبعوث نہیں ہوگا، اب تم ہی بحیثیتِ مجموعی اس منصب کی ذمہ داریوں کو پُورا کروگے اس کے لیے اولاً ضرورت ہے صبر کی، جمے رہو اور ڈٹے رہو، تکالیف اور مصائب کا مقابلہ کرو، خندہ پیشانی کے ساتھ۔ اسکے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے مصابرت کا۔ صبر میں اپنے دشمنوں سے بازی لے جانا۔ ظاہر بات ہے کہ تمہیں جو دین کا بول بالا کرنا ہے اللہ کا کلمہ سربلند کرنا ہے تو وہ کسی خلاء میں نہیں کرنا۔ یہاں باطل بھی ہے اور اس کے ماننے اور چاہنے والے بھی ہیں۔ وہ حق کا راستہ روکنے کی امکان بھر اور مقدور بھر کوشش کرینگے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا تم زیادہ اپنے موقف پر ڈٹے رہے یا وہ اپنے موقف پر زیادہ ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہ ہے مصابرت! یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا

چوکس اور چوکنے رہو! ہر چہار طرف پہرہ دو! کہیں سے غنیم تمہاری صفوں میں رخنہ نہ پیدا کر سکے، کہیں تفرقہ پیدا نہ کر سکے، کہیں تمہارے اندر فرقہ بازی کے بیج نہ بو سکے۔ آخری بات فرمائی گئی کہ جس سے آغاز ہوا تھا امت مسلمہ سے خطاب کا۔ "وَاتَّقُوا اللّٰهَ" اصل روح جو ہے وہ روحِ تقویٰ ہے۔ وہ ان تمام مراحل پر تمہارا ساتھ دے گی تمہیں ثابت قدم رکھے گی اور تمہارے قدم جو ہیں اسی کے طفیل کامیابی کے مرحلے تک پہنچیں گے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اس آیۂ مبارکہ پر یہ سورۂ مبارکہ ختم ہوتی ہے۔ اور اس پر ہی ہمارا یہ سلسلہ کلام بھی اپنے اختتام تک پہنچتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

حکم وعبر

محمد سعید الرحمٰن علوی

عُجب و خود پسندی — دورِ حاضر کا سنگین مرض

دُوسروں کی فکر سے پہلے اپنی فکر بے حد ضروری ہے!

حضور نبی مکرم، خاتم المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

حسب امرئ من الشر ان یحقر اخاہ المسلم، التقوی ھٰھنا

التقوی ھٰھنا، التقوی ھٰھنا واشار الی صدرہ ثلثا

اس ارشادِ گرامی کے نقل کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ آج کل ہم جن مصیبتوں کا شکار ہیں، انہیں ایک بڑی مصیبت، جس نے نہایت کریہہ شکل اختیار کرلی ہے، وہ یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص، بڑا ہو یا چھوٹا، صرف اپنی اور ذاتی خوبیاں دیکھنے کا عادی بن کر رہ گیا ہے اور دوسروں میں نظر آتی ہیں تو صرف برائیاں اور کمزوریاں، اور ہوتا یہ ہے کہ انہیں بڑی بے رحمی، بے دردی اور اسلام کے اصول عدل واعتدال سے بے نیاز ہوکر بیان کیا جاتا اور اچھالا جاتا ہے — ہر شخص ہر معاملہ میں اپنے کو بے قصور قرار دیتا اور دوسروں کو مجرم اور قصوروار سمجھتا ہے۔ کسی بات کا اپنے اُوپر الزام لے لیں، ناممکن، ہر الزام دُوسروں پر رکھیں گے اور اپنے وقار کی حفاظت کے لیے دوسروں کی تذلیل سے گریز نہیں کریں گے۔ آج کے دور میں دوسروں کی تحقیر وتذلیل ہمارا اور ہم میں سے ہر ایک کا محبوب اور من پسند مشغلہ ہے، اس میں ہمیں بڑی راحت اور لذت نصیب ہوتی ہے — حالانکہ یہ چیز غایت درجہ مہلک اور تباہ کن ہے، خاص طور پر وہ لوگ جو کسی بھی درجہ اور دائرہ میں کوئی دینی مشغلہ اختیار کیے ہوئے ہیں، ان کے لیے تو یہ صورتِ حال سمِ قاتل ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ قرآن عزیز نے سورۂ النجم میں ایک سلسلہ بیان میں ارشاد فرمایا۔

فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ (آیت ۳۲)

سو مت بیان کرو اپنی خوبیاں، وہ (اللہ تعالیٰ) جانتا ہے اس کو جو بچ کر نکلا (شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ)

یعنی — اگر تقویٰ کی کچھ توفیق اللہ تعالیٰ نے دی تو شیخی نہ مارو اور اپنے کو بہت بزرگ نہ بناؤ وہ سب کی بزرگی اور پاکبازی کو خوب جانتا ہے، اور اس وقت سے جانتا ہے جب تم

نے ہستی کے اس دائرہ میں قدم بھی نہ رکھا تھا ـــــ آخر میں اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک بلند مقام پر پہنچا دیا تو اس کو اسقدر بڑھ چڑھ کر دعوے کرنے کا استحقاق نہیں، جو واقعی متقی ہوتے ہیں وہ دعویٰ کرتے ہوئے شرماتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب بھی پوری طرح بشری کمزوریوں سے پاک ہو جانا بشریت کی حد سے باہر ہے۔ کچھ نہ کچھ آلودگی سب کو ہو جاتی ہے۔ الا من عصمہ اللہ (مولانا شبیر احمد عثمانیؒ)

جو لوگ کچھ ہوتے ہیں وہ تو دم نہیں مارتے، ہر وقت اسی فکر میں ہوتے ہیں کہ انجام بہتر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کامیابی نصیب ہو جائے، چنانچہ الف ثانی کے مجدد، حضرت الامام الشیخ احمد سرہندی نقشبندی مجددی قدس سرہ "معرفت حق" اس شخص کے لیے حرام فرماتے ہیں جو اپنے آپ کو کافر سے اچھا سمجھے۔ اور چودھویں صدی کے رجال دین و مجددین امت میں سے ایک، حضرت الامام الشیخ مولانا محمود حسن (شیخ الہند) اسارت مالٹا کے ابتدائی ایام میں اپنے رفقاء سمیت تنہا تنہا کوٹھڑیوں میں تھے اور سرکار انگلشیہ کا فیصلہ سزائے موت کا تھا، جو بعد میں تبدیل ہوا، جب چند دن بعد رفقاء سے شیخ کا ملنا ہوا تو بعض احباب نے ان کے ضعف و اضمحلال کی وجہ پوچھی، شیخ نے از راہ ہمدردی ان حضرات کی متوقع پھانسی کو اپنے غم کا سبب بتلایا تو ان میں سے مولانا عزیر گل زید مجدہم نے جوش جوانی میں عرض کیا، حضرت، ہم تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس مرحلہ سے گذر رہے تھے اسمیں پریشانی کی کیا بات تھی لیکن بوڑھے اور نحیف شیخ نے بڑے جلال کے ساتھ فرمایا۔

گو بات ایسے ہی ہے لیکن کیا معلوم، وہاں یہ قربانی قبول بھی ہو کہ نہ ہو؟

الغرض جنہیں رب العزت کے دربار دُربار کا قرب حاصل ہو جاتا ہے اور جن کی زندگیوں میں ایمان و یقین اور صلاح و تقویٰ کی بہار آجاتی ہے، وہ سب کچھ اور بہت کچھ کرنے کے باوجود بھی خوفزدہ رہتے ہیں، لیکن حقیقت سے ناآشنا، اور فقر و درویشی اور علم و مجاہدہ کا مصنوعی لباس اوڑھنے والے ہر وقت شیخی بھگارتے اور دوسروں کی برائیوں کی فکر میں رہتے ہیں ـــــ واقعہ یہ ہے کہ یہ مرض انہیں بہت ہے، جنہیں عام لوگ، اہل علم، خادم اسلام اور اہل دین و تقویٰ قرار دیتے ہیں، اس لیے ہم نے ابتدا میں وہ ارشاد نبوی نقل کیا جسکا ترجمہ ہے۔

کسی آدمی کے لیے یہ برائی بہت کافی اور بہت بڑی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کی تحقیر کرے یا اسکو حقیر سمجھے، تقویٰ (جس کی وجہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم و محترم ہوتا ہے) وہ یہاں سینہ میں، دل میں چھپا ہوا ہے (یہ بات آپ نے تین مرتبہ فرمائی اور ہر بار دل اور سینہ کی طرف اشارہ بھی کیا جسکا مطلب واضح تھا کہ اندرونی کیفیات کا جاننا علیم

بذات الصدور" کا کام ہے، تمہارا نہیں، اس لیے کسی کو حقیر مت جانو)

ایک دوسری حدیث جو اسی سلسلے سے متعلق ہے، اس کے مخصوص حصہ کا ترجمہ ہے۔

مسلمان کی آبرو ایسی ہی احترام کے قابل ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا شہر مکہ، اور حج کا مقدس مہینہ اور خاص حج کا مبارک اور محترم دن۔"

ایک اور ارشاد نبوی کا ترجمہ ملاحظہ فرمالیں جس میں سرورِ کائنات، امام الانبیاءؑ فداہ ازواحنا وانفسنا فرماتے ہیں:

لوگو! یاد رکھو، اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ تم فروتنی اور عاجزی کا رویہ اختیار کرو یہاں تک کہ کوئی شخص کسی پر برائی نہ جتائے اور نہ کوئی کسی پر دراز دستی کرے۔

یہ سب ارشاداتِ نبوی واضح طور پر ہم سے ایک مطالبہ اور تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اپنی مزعومہ نیکیاں اچھالنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت پر نگاہ رکھیں اور دوسروں کے معاملہ میں اچھائی کی تشہیر نہیں کر سکتے تو برائی کی تشہیر سے تو بہر طور بچیں اور گریز کریں ـــ الفرقان کی آیات ۶۳ سے ۷۶ تک "عباد الرحمٰن" کے خصائص اور ان کے اجر و ثواب کا ذکر ہے، اجر و ثواب کے ضمن میں فرمایا۔

ان کو (عباد الرحمٰن کو) بدلہ ملے گا کوٹھوں کے جھروکے، اس لیے کہ وہ ثابت قدم رہے اور لینے آئیں گے ان کو وہاں دعاء اور سلام کہتے ہوئے، سدا رہا کریں انہیں، خوب جگہ ہے ٹھہرنے کی اور خوب جگہ رہنے کی (آیات ۷۵-۷۶، ترجمہ شیخ الہندؒ)

جن "رحمٰن کے بندوں" کو یہ اجر و ثواب ملے گا۔ ان کے خصائص میں ایک بات یہ بھی ہے کہ

اور جو لوگ شامل نہیں ہوتے جھوٹے کام میں (نہ جھوٹ بولیں، نہ جھوٹی شہادت دیں نہ باطل کاموں اور گناہوں کی مجلسوں میں حاضر ہوں) اور جب گزرنے میں کھیل کی باتوں پر نکل جائیں بزرگانہ (پروقار اور سنجیدگی سے) (آیت ۷۲)

اور سورۃ الحجرات تو قریب قریب ساری ہی انہی فضائل و آداب کی تعلیم پر مشتمل ہے، جن کے ذریعہ سے ایک گوشت پوست کا انسان "فخرِ ملائکہ" بن کر رہ جاتا ہے اور ساری دنیا کے لیے باعث خیر و برکت، وہاں اللہ تعالیٰ نے ہر اس برائی کا ذکر کیا اور اس سے بچنے کی تعلیم دی، جس کے ذریعہ انسان، انسان کا دشمن بننے کے بجائے دوست بنتا ہے، نہ صرف دوسروں کا بلکہ خود اپنا دوست اور محسن بنتا ہے ـــ کیونکہ جب انسان، انسان کے درپے ہوتا ہے ـــ کسی ذریعہ سے بھی، تو اسکا نتیجہ سب سے پہلے اپنے نقصان کی شکل میں سامنے آتا ہے، اپنی نیکیاں برباد اور گناہ لازم تو ہیں انسان مفلس و قلاش بن کر (اخروی اعتبار سے) رہ جاتا ہے اور تصویرِ عبرت و حسرت!

الحجرات میں اس سے روکا کہ کسی کی بات سن کر بغیر تحقیق کسی پر چڑھ دوڑو، اسکا انجام و نتیجہ یہ ہوگا۔

فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ (۶)

پھر کل کو اپنے کیے پر لگو پچھتانے۔

اتنی بڑی اخلاقی تعلیم ہے کہ اسکا اندازہ مشکل ہے ـــ معاشرہ میں افراتفری پھیلانے والے، ریوڑ کی آوارہ بکری کی طرح اِدھر اُدھر منہ مارنے والے، اور ایک دوسرے کے خلاف بھڑکانے والے بداندیش اپنا کھیل کھیلتے ہیں، اہل اسلام و اہل ایمان کا فرض ہے، کہ جذبات میں نہ آئیں، ایسی بات سُنیں تو ذرا ہوش و تدبر سے کام لیکر اس کی انکوائری و تفتیش کریں، ایسا نہ ہو کہ اِدھر بات سنی اُدھر چڑھ دوڑے، پھر لگے پچھتانے، لیکن اب کیا فائدہ؟ اب تو جو ہونا تھا ہو چکا؛ دشمن نے اپنا وار کر دیا، وہ کامیاب ثابت ہوا، تم اپنے دعوائے ایمانی کے باوجود فراست مومنانہ سے محروم قرار پائے ـــ سوچیں، آج مسلم معاشرہ میں یہی حال نہیں تو کیا ہے؟ سنی سنائی باتوں اور تحقیق کی چھلنی میں ان فٹ اخبارات کی بنیاد پر کسطرح قیامتیں بپا ہو کر رہ جاتی رہیں؟ لیکن کوئی نہیں سوچتا کہ اسکا سبب کیا ہے؟ اسکا سبب وہی بے احتیاطی خوف آخرت سے محرومی اور اس کا عدم احساس ہے کہ آدمی پہلے سوچ لے، کسی کے سر پر لٹھ مارنا، کسی کے خلاف قلم حرکت میں لانا بہت آسان ہے لیکن اسکا جو انجام ہوگا ـــ دنیوی اور اخروی ـــ اسکا بھگتنا بہت مشکل اور بے حد پریشان کن ہوگا اس لیے احتیاط، حزم اور تدبر بڑا ضروری ہے۔

ایک ہدایت اس سورۃ میں یہ ہے کہ مسلمان کے دو طبقات آپس میں الجھ پڑیں، لڑ پڑیں تو انمیں صلح کرا دو اور جب مصالحانہ سعی و کوشش کارگر نہ ہو اور ایک گروہ مسلسل زیادتی ہی کرتا چلا جائے تو تم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ دوسرے کا ساتھ دو تا آں کہ سرکش عنصر راہ حق کی طرف پلٹ آئے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ "مسلمان جو ہیں سو بھائی ہیں، سو ملاپ کرا دو اپنے دو بھائیوں میں" ـــ بقول مولانا عثمانی

> تمام پیش بندیوں کے باوصف اگر اتفاق سے مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو پوری کوشش کرو کہ اختلاف رفع ہو جائے، اسمیں اگر کامیابی نہ ہو اور کوئی فریق دوسرے پر چڑھا چلا جائے اور ظلم و زیادتی پر کمر باندھے تو یکسو ہو کر نہ بیٹھ رہو بلکہ جس کی زیادتی ہو سب مسلمان مل کر اس سے لڑائی کریں یہاں تک کہ وہ فریق مجبور ہو کر اپنی زیادتیوں سے باز آئے اور خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو کر صلح کے لیے اپنے آپ کو پیش کر دے۔

لیکن سوچیں اور سبھی کہ اس پر کتنوں کا عمل ہے، گروہ بندی، برادری، اور مختلف النوع تعلقات ہم میں سے ہر ایک کی راہ روکتے ہیں کہ ہم "عدل" کا راستہ اختیار کرنے سے باز رہیں، شیطان بھکا دیتا

ہے کہ تم اور تمہارے ملنے والے ہی حق و صواب کی راہ پر ہیں، جب ایسا ہوتا ہے تو پھر حضرت انسان بدی کا ساتھی بن کر رہ جاتا ہے اور پھر جو قتل و غارت کی نوبت آتی ہے اور نسلاً بعد نسلٍ قتل مقاتلے ہوتے ہیں، انہیں دیکھ کر دورِ جاہلیت کا قبائلی تعصب آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

اسی طرح اس سورۃ میں آگے چل کر مزید ان چیزوں سے روکا گیا۔

کوئی کسی سے ٹھٹھا نہ کرے، خاص طور پر عورتیں اس سے گریز کریں ـــــ ٹھٹھا کی بنیاد وہی جذبہ حقارت و نفرت اور خود پسندی ہے لیکن رب العزت فرماتے ہیں اور زور دیکر۔

عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ـــــ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ (آیت ۱۱)

شاید وہ بہتر ہوں، ان سے ـــــ شاید وہ بہتر ہوں ان سے

بہتر کون ہے، کون نہیں؟ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی فرما سکتے ہیں لیکن انسان خود پسندی، عُجب و غرور اور انانیت کا شکار ہو کر "در مدح خود" کی خرابی میں مبتلا ہو جاتا ہے پھر دوسروں کو نشانہ تضحیک و استہزاء بناتا ہے ـــــ آگے بڑھتا ہے تو "عیب لگانے" کا رویہ اختیار کرتا ہے، پھر چڑانے کی غرض سے ـــــ تاکہ فتنہ کی آگ بھڑکے ـــــ نام بگاڑتا اور مختلف قسم کے نام ڈالتا ہے، انہیں سے ہر گناہ کے تہہ منظر ہیں انسان کی خود پسندی کارفرما ہوتی ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ان سب باتوں سے روکتا ہے اور اس قسم کے مردم آزارانہ افعال کو اسلام کے منافی قرار دیتا ہے ـــــ قرآن کے نزدیک یہ حرکات بالخصوص نام بگاڑنا فسق و فجور کا کام ہے جو ایک مومن کی شان سے بعید ہے اور پھر ایسے برخود غلط، عُجب و پندار کے مارے ہوئے اور خود پسند انسان کو اللہ تعالیٰ ظالم قرار دیتے ہیں ـــــ ارشاد ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ـــــ جو کوئی توبہ نہ کرے تو وہی ہیں بے انصاف!

اس قسم کے مکروہ مشاغل کے نتیجہ میں دشمنی و عداوت کی بنیاد پڑ گئی تو اب حضرت انسان "تہمت طرازی" کا کار بے خیر شروع کرتا ہے، حالانکہ وہ نہیں سوچتا کہ میرا رب اسے گناہ قرار دیتا ہے ـــــ لیکن اس "مریض انا" کو اس سے کیا غرض ہے، گناہ پر گناہ اس کی عادت بن جاتی ہے "تہمت طرازی" کی فصل کو پروان چڑھانے کی غرض سے "تجسس" (بھید ٹٹولنا) اور "غیبت" کا بازار گرم ہوتا ہے اور انسان نہیں سوچتا کہ اس طرح وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت نوچ رہا ہے ـــــ اس لیے کہ جس کی غیبت کرتا ہے وہ پاس موجود نہیں، اپنا دفاع نہیں کر سکتا، گویا مردہ ہے۔ اب اس کے جسم پر چھرے چلانے میں مزہ محسوس کرتا ہے، سوچیں کتنی سنگدلی اور شقاوت ہے ـــــ لوگوں کا خیال ہے کہ کسی میں موجود جرائم کو اچھالنا کار ثواب ہے حالانکہ اسی کو نبی علیہ السلام نے غیبت اور مردہ بھائی کا گوشت نوچنے سے تعبیر فرمایا رہ گیا یہ مسئلہ

کہ کوئی کسی کے در پے ہوتا ہے، گھر گھر کر جرائم اس کے کھاتہ میں ڈالتا ہے تو محمد عربی علیہ السلام اسے "بہتان" کہتے ہیں جو غیبت سے کہیں سنگین جرم ہے، لیکن مسلم معاشرہ جذبہ انانیت کی تسکین اور دوسروں کے کردہ و ناکردہ جرائم پر داروغہ بننے کی غرض سے ان سب خرابیوں کا شکار ہے جبکہ رب العزت فرماتے ہیں۔

اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے، رحم کھانے والے ہیں۔

اللہ سے ڈرنا تو یہ ہے کہ ان اعمال قبیحہ کو آدمی چھوڑ دے لیکن جرم ہو جائے تو پھر تقویٰ کا تقاضا ہے "توبہ" جسکا مفہوم ہمارے نزدیک بس یہی کچھ ہے کہ زبان سے کہہ لیا، میرے اللہ میری توبہ ــــ جب کوئی آفت پڑی تو ہتوں کے رنج کے سبب اللہ تعالیٰ یاد آنے لگے اور چندے بعد وہی لچھن۔ حالانکہ توبہ قبول کرنے والے نے "توجہ نصوح" (صاف دل کی توبہ) کا پابند بنایا ہے۔ اہل نظر اہل دانش "توبتہ نصوح" کا مفہوم بیان کرتے ہیں۔

دل میں پھر اس گناہ کا خیال نہ رہے۔ اگر توبہ کے بعد اُن ہی خرافات کا خیال پھر آیا تو سمجھو کہ توبہ میں کسر رہ گئی ہے اور گناہ کی جڑ دل سے نہیں نکلی (عثمانی المرحوم)

جب "توبتہ النصوح" ہوتی ہے تو رب العزت اسے شرف قبولیت سے نوازتے ہیں بلکہ اس کو قبول کرنا اپنے اوپر لازم قرار دیتے ہیں (النساء : ۱۷) لیکن جب حال یہ ہو کہ رات کو پی، صبح کو توبہ کر لی، تو ایسی توبہ انسان کے لیے وبال جان بن جاتی ہے ــــ یہ دھوکہ ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ، اور ایسا کرنا بندہ مومن کا شیوہ نہیں ــــ ستم یہ ہے کہ لوگ، جی ہاں مدعیان اسلام و صلاح و تقویٰ ــــ "انانیت" کا شکار ہو کر سبھی جرائم کرتے ہیں، قبائلی تعصب، برادری کی عصبیت، تمسخر و استہزاء تہمت طرازی و چغلی، غیبت و تجسس، لیکن توبہ کرتے ہیں تو اس طرح کہ بس اللہ تعالیٰ سے عرض کر لیا کہ "میری توبہ" ــــ اس "میری توبہ" کا انجام تو آپ نے معلوم کر لیا، ذرا یہ بھی دیکھ لیں اور بگوش ہوش سن لیں کہ اصحاب ارباب حقوق سے تلافی کے بغیر بات نہ بنے گی ــــ "توحید" اللہ تعالیٰ کا حق ہے، شرک کیا تو اللہ تعالیٰ سے معافی اور اس کیطرف انابت کافی ہو گی، لیکن غیبت و تجسس، تمسخر و استہزاء اور ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو ہیں، اسمیں کسی کے حقوق کا بھی سوال ہے، اس سے معافی چاہو تب اللہ تعالیٰ کے دربار کی معافی قبول ہو گی کسی کا مال اڑایا، کسی کی زمین چھینی، کسی کے مکان پر قبضہ جمالیا، کسی سے رشوت کا پیسہ لیا، تو کیا رسمی توبہ کام آئے گی ــــ نہیں جو لیا اور اڑایا ہے اس کی واپسی کی فکر کرو۔ وہ نہیں ہے تو اس کے ورثا کو لوٹاؤ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور ندامت کے آنسو کام آئیں گے ورنہ تو انسان کی "نیکیاں"، جنہیں وہ بڑا سرمایہ سمجھے

بیٹھا ہے، ان ارباب و اصحاب حق میں تقسیم ہو کر رہ جائیں گی۔ اور انسان ہاتھ ملتا رہ جائیگا ——
اس وقت کی حسرت و ندامت پھر کام نہ آئے گی۔

الحجرات کی اس ساری تعلیم کے بغیر انسانوں کو خود ساختہ تقسیم میں تقسیم کرنے والے انانیت پسند اور خود پسند لوگوں کو فرمایا کہ یہ انسانوں سے نفرت، ان کے ساتھ غیر اخلاقی رویہ، اپنی نیکیوں کا چرچا اور ان پر شیخی بگھارنا یہ کاہے کو ہے؟ ابتداء تو تمہاری آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام سے ہے، پھر یہ باہمی آویزش و کشمکش اور اپنے جیسوں کے مقابلہ میں خودسری کا رویہ ہے تو کون —— اللہ تعالیٰ کے یہاں تو "تقویٰ" کام آئیگا اور ظاہر ہے کہ کسی کے تقویٰ کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہی جانتا ہے کہ کسی کے دل کی کیا کیفیت ہے؟ ہو سکتا ہے کہ محل سرا اور پلازہ ٹائپ عمارت یا کسی خانقاہ کا مقیم اپنے کو بہت کچھ سمجھے اور کچھ نہ ہو —— لیکن ایک چھپر نشین رات کو فٹ پاتھ پر گزارنے والا، بکھرے بالوں والا، جس کی طرف دنیا توجہ نہیں کرتی وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت محبوب ہو، اگر کسی کو دولت اسلام و ایقان اور سرمایہ صلاح و تقویٰ نصیب ہوا ہے تو یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی دین اور اسکا کرم ہے —— سورۂ مبارکہ کے آخر میں چل کر اسی پر گفتگو ہے —— ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

تجھ پر (اے محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے، تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنے اسلام لانے کا، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اُس نے تم کو راہ دی ایمان کی اگر سچ کہتے ہو (۱۷)

گویا بقول سعدیؒ —— منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمے کنی۔ منت ازو شناس کہ بخدمت بداشتت اسلئے ضرورت ہے، اپنے حالات کے اصلاح کی —— بقول شیخ الاسلام والمسلمین حضرت الشیخ فرید اجودھنی رحمہ اللہ تعالیٰ (پاکپتن) ہر شخص اولاً اپنی چارپائی کے نیچے جھاڑو دے، اپنے احوالِ دل کی فکر کرے، اپنے آپ کو ٹٹولے دوسروں کی ٹٹول کا نمبر بعد میں آئیگا وہ بھی مسلمہ اصول و ہدایت کی روشنی میں —— لیکن ستم یہ ہے کہ بقول جگر مرحوم، انسان اتنی خود فریبی کا شکار ہے کہ اسے ساری کائنات کی تو فکر ہے، نہیں تو اپنی نہیں۔ اس لیے یہ سطور قلم بند کی گئیں، کہ برادران دینی اور خود ہم اپنے حالات کی اصلاح کی سوچیں اور فکر کریں۔ اس کے لیے قرآنی ارشادات اور نبوی ہدایات کو مشعل راہ بنائیں، ورنہ ہمارا ہر قدم اور ہماری ہر کاوش رائیگاں جائے گی اور بے سود!

اہل دین و تقویٰ، ارباب مدارس و خانقاہ، اور دین کے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھنے والے بزرگانِ

باقی صفحہ ۲۷ پر

(آخری قسط)

سلسلۂ تقاریر الٓمٓ

سورۂ آلِ عمران

ڈاکٹر اسرار احمد

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
الٓمّٓ ۝ اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ
مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ ھُدًی
لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ
شَدِیْدٌ ۝ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ صدق اللہ العظیم

سورہ آلِ عمران جو مصحف میں سورۂ بقرہ کے فوراً بعد ہے، ۲۰۰ آیات پر مشتمل ہے جو ۲۰ رکوعوں میں منقسم ہے۔ یہ سورہ مبارکہ ظاہری اور معنوی دونوں اعتبارات سے سورۂ بقرہ کے ساتھ بڑی گہری مناسبت اور مشابہت رکھتی ہے۔ اور گویا اس سورۃ کو اس کے ایک جوڑے کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کے بھی دو مساوی حصے ہیں۔ پہلا حصہ ایک اٹلو ایک آیات پر مشتمل ہے اور اس میں یا تو اہلِ کتاب سے براہِ راست خطاب ہے یا اکثر و بیشتر روئے سخن ان کی جانب ہے۔ اور دوسرے حصے میں امتِ محمد علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام (یعنی امتِ مسلم) سے خطاب ہے۔

سورۂ بقرہ کی مانند اس سورۃ مبارکہ کے پہلے حصے کو بھی تین چھوٹے حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائی ۳۲ آیات میں اولاً قرآن اور سابقہ کتب سماویہ کا ذکر ہے۔ اس کے ذیل میں قرآن مجید کی آیات کے بارے میں ایک عام بحث ہے۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ قرآن حکیم کی آیات دو قسم کی ہیں: (۱) آیات محکمات جن کا مفہوم بالکل واضح ہے جن کے معنی کے تعین میں کوئی اشتباہ پیش نہیں آتا۔ اور (۲) آیات متشابہات جن کا ٹھیک ٹھیک (Exact) مفہوم متعین

کرنا اس دنیا میں ممکن نہیں۔ اس لیے کہ یا تو وہ عالم آخرہ کے احوال ہیں یا عالم برزخ کے معاملات ہیں یا ان میں وہ دقیق حقائق اور معارف بیان ہوئے ہیں جن کا تحمل نہ انسانی تعقل کر سکتا ہے اور نہ انسانی زبان کر سکتی ہے۔ لہٰذا تمثیلات اور استعارات کے پیرائے میں ان کا ایک اجمالی علم دے دیا گیا ہے۔ ان آیات متشابہات پر اجمالاً ایمان رکھنا چاہیئے اور رہنمائی اخذ کرنے کے لیے اصل توجہ کو مرتکز کرنا چاہیئے آیاتِ محکمات پر۔ اسکے بعد اسکے ابتدائی حصے میں دین کی اساسی تعلیمات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ بالخصوص اہل کتاب متوجہ ہوں اور اپنے طرزِ عمل کا جائزہ لیں۔ دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

دوسرا حصہ جو ۳۱ آیات پر مشتمل ہے (یعنی آیت نمبر ۳۳ سے ۶۳ تک)۔ یہ آیات نازل ہوئی ہیں سن ۹ ہجری میں۔ جبکہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کے کچھ علماء نے حضورؐ کے ساتھ کچھ مباحثہ کیا۔ چنانچہ ان آیات میں الوہیتِ مسیح کے عقیدے کی پرزور تردید کی گئی چنانچہ وہی مضامین جو کہ ہم اس سے پہلے سورۂ مریم میں پڑھ چکے ہیں ہمیں یہاں بھی ملتے ہیں۔ یعنی حضرت زکریاؑ کا ذکر حضرت یحییٰؑ کا ذکر، حضرت مریمؑ کا ذکر اور پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ۔ تاکہ اسی دلیل کے تحت حضرت مسیح علیہ السلام کے الوہیت کے عقیدے کی نفی کی جا سکے۔ جو اس سے پہلے ہم سورۂ مریم میں دیکھ چکے ہیں۔ اس مقام پر اس ضمن میں ایک قدم آگے بڑھایا گیا کہ پورے بحث مباحثے کے بعد ان علماء کو یعنی علماءِ نصاریٰ کو دعوتِ مباہلہ دی گئی ارشاد ہوتا ہے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ

اے نبیؐ! جبکہ یہ اصل حقیقت منکشف کر دی گئی ہے اور صحیح علم آپؐ کے پاس آچکا ہے اور آپؐ نے اسے لوگوں کے سامنے بیان کر دیا ہے اس سب کے بعد پھر بھی جو آپؐ سے جھگڑے، آپؐ سے مباحثہ کرے تو ان سے کہئے ان کو چیلنج دیجئے:

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۝

"پس آپ کہہ دیجئے! تو آؤ پھر ایک ہی راستہ ہے ہم فیصلہ کیے دیتے ہیں) تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم بھی اپنے بیٹوں کو لے کر آتے ہیں تم اپنی خواتین کو بلاؤ ہم بھی اپنی خواتین کو لیکر آتے ہیں تم خود بھی حاضر ہو اور ہم بھی خود حاضر ہوتے ہیں پھر ہم مباہلہ کرتے ہیں

اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ جسکا موقف غلط ہو اس پر اپنی لعنت فرما دے۔"

یہ چیلنج ہے کہ جسکو قبول کرنے کی جرأت علمائے نصاریٰ نہ کر سکے۔ اور انہوں نے گویا کہ اسطرح اپنی کھلی شکست کا اعتراف کر لیا۔

قرآن مجید میں ان آیات کو جو سن ۹ ہجری میں نازل ہوئیں سورۂ آل عمران میں اس مقام پر رکھ دیا گیا تاکہ سورۂ بقرہ کے ساتھ مناسبت قائم ہو جائے۔ سورۂ بقرہ میں یہود کے ساتھ مفصل گفتگو تھی۔ یہاں نصاریٰ کے ساتھ گفتگو ہو گئی۔ اہل کتاب کے یہی دو بڑے گروہ ہیں جن میں سے ایک کے اوپر اتمام حجت سورۂ بقرہ میں ہو گیا اور دوسرے پر اتمام حجت سورۂ آل عمران میں۔ اس سورۃ مبارکہ کے نصف اوّل کا جو آخری حصہ ہے اس میں پھر اہل کتاب کو بحیثیت مجموعی خطاب کیا گیا اور ان کو پرزور دعوت دی گئی کہ اب بھی نظر ثانی کر و اپنے طرزِ عمل پر۔ تمہیں تو سب سے بڑھ کر اور سب سے پہلے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرنی چاہیئے تھی۔ بڑا پیارا انداز ہے۔

اے نبی کہیے

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

"اے اہلِ کتاب! آؤ کہ ہم ایک بات پر جمع ہو جائیں جو ہمارے اور تمہارے مابین مشترک ہے۔"

أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ۔

"کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم ایک دوسرے کو خدا کے ساتھ خدائی میں شریک نہ مان لیں۔"

فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ

"پھر اگر وہ اعراض کریں۔ (پیٹھ دکھا دیں، منہ موڑ لیں) تو اے مسلمانو! تم کہہ دو گواہ رہنا کہ ہم تو اللہ کے فرمانبردار ہیں۔"

ہم نے تو یہ روش اختیار کی ہے۔ اس کی طرف ہم تمہیں بھی دعوت دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں حضرت ابراہیم کا ذکر بھی ہے اور بیت اللہ کا بھی۔ بالکل اسی طرح جیسے سورۂ بقرہ میں ان دونوں کا ذکر آیا تھا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ

وہ جو علامہ اقبال نے فرمایا تھا وہ اسی آیت کا ترجمہ ہے کہ: ؎

دنیا کے بتکدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

یعنی توحید کے لیے مرکز کی حیثیت سے اور خدائے واحد کی بندگی کے لیے پہلا مرکز جو تعمیر ہوا وہ وہی ہے جو مکے میں ہے۔

اس کے بعد نصف ثانی کی طرف آیئے۔ سورۂ بقرہ کی طرح نصف ثانی میں اب خطاب ہے امتِ مسلمہ سے۔ جیسے وہاں فرمایا گیا تھا کہ اپنی کٹھن ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ یہاں اس کے ضمن میں کچھ تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

پہلی بات یہ کہ اہل ایمان اللہ کا تقویٰ اختیار کریں جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے اور دیکھنا موت نہ آنے پائے مگر اس حال میں کہ تمہاری گردنوں میں اللہ کی اطاعت کا قلادہ پڑا ہوا ہو۔ اس کی فرمانبرداری کی روش پر قائم رہو۔ اس کے بعد آتی ہے عظیم آیت:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور تفرقے میں مبتلا مت ہو۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کی مضبوط رسی کونسی ہے! ظاہر بات ہے کہ اس اجمال کی تفصیل کرنے کا حق ہی نہیں۔ بلکہ ذمہ داری ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔ سورۃ نحل میں آپؐ کا یہ فرض منصبی بیان ہوا کہ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (تاکہ آپ اس چیز کو لوگوں کے لیے وضاحت سے بیان کریں جو آپ کی طرف نازل ہوئی)

اگر اس حبل اللہ کا مفہوم سمجھنا ہو تو رجوع کرنا ہوگا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں قرآن مجید کے بارے میں۔

ھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ الْمَتِیْنُ

یہ ہے اللہ کی مضبوط رسی اسے مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو گے تو تفرقہ نہ ہوگا اختلافات نہ ہوں گے۔ تمہاری جمعیت پریشان نہ ہوگی، پراگندہ نہ ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی مضمون آیا جو سورۂ بقرہ میں بیان ہوا تھا کہ اُمتِ مسلمہ کی تأسیس کی غرض و غایت کیا ہے؟ اسے اپنے پیش نظر رکھو۔ یہاں وہی بات ذرا دوسرے انداز سے آئی ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔

اے مسلمانو! اپنے آپ کو پہچانو اپنے مرتبے اور مقام کو جانو۔ دنیا کی دوسری قومیں اپنے لیے جیتی ہیں لیکن تمہیں دنیا والوں کے لیے جینا ہے ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے
کہیں ممکن ہے کہ ساقی نہ رہے جام رہے

تو امتِ مسلمہ کی زندگی اور اسکا مقصد زیست یہ ہے کہ لوگوں کو خیر کی دعوت دینا، بھلائی کا پرچار کرنا، برائی سے روکنا، حق کی دعوت دینا اور اللہ کی طرف پکارنا۔ یہ ہے تمہارا مقصدِ وجود اس ضمن میں ایک اور بڑی باریک ہدایت دی گئی ہے کہ اگر کبھی بدقسمتی سے ایسا ہو، جیسا کہ اسوقت ہو چکا ہے، کہ امت بحیثیت مجموعی اپنے اس فرض منصبی کو بھول جائے تو اس ضمن میں ہدایت دے دی گئی کہ مسلمانو! تم میں سے کم سے کم ایک جماعت تو ایسی رہنی ہی چاہیئے جسکا مقصد زندگی یہ ہو، جسکا اوڑھنا بچھونا یہی ہو۔ ارشاد ہوتا ہے

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

"ایک گروہ، ایک جماعت تو تم میں ایسی رہنی ہی چاہیئے جو خیر کی طرف پکارے (خیر کی دعوت دے) نیکی کا حکم دے بدی سے روکے اور فی الواقع یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے۔"

اس کے بعد تقریباً ۷ آیات میں غزوہ احد کے احوال کا بیان بھی ہے اور ان پر تبصرہ بھی ہے۔ غزوہ احد میں مسلمانوں کو چرکا لگا تھا، عارضی طور پر شکست بھی ہو گئی تھی۔ ۷۰ صحابہ کرام شہید بھی ہوئے خود آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجروح ہوئے آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے، اس کی وجہ سے مسلمانوں پر غم واندوہ کے بادل چھا گئے۔ یہاں آیات مبارکہ نازل ہوئیں انکی دل جوئی کے لیے بھی تسلی اور تشفی کے لیے بھی مزید برآں انکی ان خامیوں کی نشاندہی کے لیے بھی کہ جائزہ لے لو تمہاری صفوں (Ranks) میں کہاں کہاں کوئی خرابی ہے کہاں کہاں کمزوری ہے؟ کہاں کہاں رخنے ہیں جن کی وجہ سے تم اس صورتحال سے دوچار ہوئے ہو۔ تاکہ آئندہ کے جو کٹھن تر مراحل آ رہے ہیں ان کے لیے تم پوری طرح تیار ہو سکو۔ یہ

ایک بہت ہی عمدہ، نہایت اعلیٰ اور انتہائی مربوط خطبہ ہے جس کے ضمن میں یہ الفاظ بھی آئے۔

وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

اس عارضی شکست سے دل شکستہ نہ ہو، تم ہی سربلند رہو گے، تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ تم فی الواقع مومن ہوئے اور تم نے ایمان کا حق ادا کیا جیسا کہ اسکا حق ہے۔

آخیر کے دو رکوعوں میں سے انیسویں رکوع میں اصلاً تو خطاب ہے پھر اہل کتاب سے اور کچھ روئے سخن ہے مسلمانوں کی جانب۔ اور جو آخری رکوع ہے دس آیات پر مشتمل ہے تو دا قعہ یہ ہے کہ اس سورۂ مبارکہ کا حاصل ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان آیات سے خصوصی شغف تھا۔ ان میں ایمان کا SYNTHESIS بیان ہوا ہے کس طرح کائنات کے مطالعے سے مشاہدے سے کتاب فطرت کے مطالعے سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کی جاتی ہے اور پھر کس طرح اللہ کو یاد رکھ کر اس کائنات کی گتھی کو سلجھانے کے لیے مزید غور و فکر کیا جاتا ہے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ یہ تخلیق عبث نہیں ہے بے مقصد نہیں ہے۔ چنانچہ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ انسانی اعمال بیکار جانے والے نہیں ہیں جزا و سزا ہو کر رہے گی اس کے ضمن میں جن لوگوں نے اپنی فطرت اور اپنی عقل کی رہنمائی میں غور و فکر کے نتیجے میں اس مقام پر رسائی حاصل کر لی جب ان کے کانوں میں نبیوں اور رسولوں کی آواز آتی ہے تو وہ فوراً اس کیفیت کے ساتھ لبیک کہتے ہیں کہ ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا!
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں تھا

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا

"پروردگار! ہم نے ایک منادی کرنے والے کی ندا سنی کہ وہ ایمان کی ندا کر رہا ہے۔ (ایمان کی منادی دے رہا ہے) کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر پس ہم ایمان لے آئے۔"

یہ ہے ایمانیات ثلاثہ یعنی ایمان باللہ ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کا باہمی ربط — اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت امت مسلمہ کے لیے ابدی پیغام ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اے اہل ایمان! یہ جو کٹھن ذمہ داریاں تمہارے کاندھوں پر آگئی ہیں، فرائض نبوت و رسالت

اُمّتِ مُسلمہ کے لیے لائحۂ عمل

(سُورۃ آلِ عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کی روشنی میں)

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب

اَلحمدُ لِلّٰہِ الحمدُ للّٰہ وکفٰی والصلوٰۃُ والسّلامُ علٰی عِبادِہِ الّذِیْنَ اصْطفٰی
خُصُوصًا علٰی اَفضلِھِم سیّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمِ النَّبِیّیْنَ مُحَمَّدٌؐ الامین وعلٰی
آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ امابعد۔ فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتعالٰی فِی سُوْرَۃِ آلِ عِمرانَ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً
فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ
النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْھَا۔ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔
وَلْتَکُنْ مِّنْکُمْ اُمَّۃٌ یَّدْعُوْنَ اِلَی الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ
الْمُنْکَرِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ امابعد عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ
اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَّاٰی مِنْکُمْ
مُّنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ
ذٰالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ۔ (رواہ مسلمؒ)
وَعَنِ الْحَارِثِ الْاَشْعَرِیِّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمُرُکُمْ
بِخَمْسٍ بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاِنَّہٗ
مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَۃِ قِیْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَۃَ الْاِسْلَامِ مِنْ
عُنُقِہٖٓ اِلَّآ اَنْ یُّرَاجِعَ وَمَنْ دَعَا بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ فَھُوَ مِنْ جُثَی جَھَنَّمَ وَاِنْ

صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهُ مُسْلِمٌ۔ (رواہ احمد والترمذی رحمہما اللہ)

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ بَايَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلٰى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلٰى اَنْ لَّا نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَهْلَهٗ اِلَّا اَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فِيْهِ بُرْهَانٌ۔ (متفق علیہ)

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَلْهِمْنَا رُشْدَنَا وَاَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا اَنْ نُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِكَ بِاَمْوَالِنَا وَاَنْفُسِنَا۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ۔ اٰمين يا رب العٰلمين۔

حضرات! میں نے اس وقت آپ کے سامنے سورۂ آلِ عمران کی تین آیات تلاوت کی ہیں۔ یہ آیات اس سورہ مبارکہ کے قریباً وسط میں واقع ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ سورۂ آلِ عمران دو سو آیات پر مشتمل ہے اور ان آیات کا نمبر ہے ۱۰۲، ۱۰۳ اور ۱۰۴۔ گویا قریباً وسط ہے۔ پھر میں نے نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تین ہی احادیث آپ کو سنائی ہیں۔ میرے نزدیک ان آیات و احادیث میں ہم مسلمانوں کے لئے ایک لائحۂ عمل ہے۔ اگرچہ قرآن مجید کے ہر لفظ میں علمی نکات بھی ہیں، حکمت و فلسفہ کے مسائل بھی ہیں۔ عملی رہنمائی بھی ہے۔ اور اسی طرح کا معاملہ حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کا بھی ہے۔ قرآنِ مجید میں چار مقامات پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جن چار افعالِ مبارکہ کا ذکر آیا ہے، وہ ہیں تلاوتِ آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیمِ حکمت ــــ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ ان مقامات پر تعلیم حکمت سے مراد حدیث ہے۔ بہرحال میں نے تین آیات اور تین ہی حدیثیں آپ کو سنائیں۔ ان میں یقیناً علمی اعتبار سے بڑے وقیع نکات ہیں۔ لیکن آج میری گفتگو ان عملی پہلوؤں کے بیان تک محدود رہے گی۔ جن کی رہنمائی ہمیں ان سے ملتی ہے۔ اس لئے کہ علمی نکات پر عموماً گفتگوئیں ہوتی رہتی ہیں اور جب علمی نکات پر توجّہ کا ارتکاز زیادہ ہو جائے تو اکثر و بیشتر عملی رہنمائی کی طرف توجّہ نہیں ہوتی ــــ جیسا کہ میں نے عرض کیا میری آج کوشش یہ ہو گی کہ ان آیاتِ مبارکہ اور ان احادیثِ نبویّہ کے مطالعہ سے جو عملی لائحۂ عمل ہمارے سامنے آتا ہے،

اسے میں آپ کے سامنے رکھوں۔

قرآن مجید کی یہ تین آیات اس عملی رہنمائی اور ہدایت کے اعتبار سے جو وہ اہلِ ایمان کے سامنے رکھتا ہے، جامع ترین آیات میں سے ہیں۔ امتِ مسلمہ کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے ایک مسلمان کے کیا فرائض ہیں اور اس پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں! اسے سب سے پہلے کن امور پر اپنی توجہات کو مرتکز کرنا ہوگا! ان کو بڑی جامعیت کے ساتھ پہلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ دوسری آیت کا موضوع یہ ہے کہ ان افراد کو باہم جوڑنے والی چیز، انہیں ایک امت بنانے والی شے، انہیں "حزب اللہ" بنانے والی چیز، ان کے مابین ذہنی و فکری ہم آہنگی اور عملی اتحاد پیدا کرنے والی چیز کون سی ہے!! اور تیسری آیت میں یہ نشان دہی فرمائی گئی کہ اس امت یا حزب اللہ یا اس جماعت کا مقصد کیا ہے!! کس کام کے لئے اس کو محنت اور جدوجہد کرنی ہے!

اب آپ خود غور کر سکتے ہیں کہ ان تین آیات کا باہمی بڑا منطقی ربط ہے۔ اس لئے کہ ظاہر بات ہے کہ بڑی سے بڑی اجتماعیت بھی افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ اقبال نے خوب کہا ہے کہ ؎

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

افراد کا رخ درست نہ ہو تو اجتماعیت کا رُخ کیسے درست ہو جائے گا! اگر افراد وہ لائحہ عمل اختیار نہ کریں جو اُن کو دیا گیا ہے تو اجتماعی زندگی کے لئے جو صحیح لائحہ عمل ہے، اسے کیسے اختیار کیا جا سکتا ہے! لہٰذا ترتیب یہی ہے کہ سب سے پہلے ہر فرد اپنے طور پر سوچے کہ مجھے کیا کرنا ہے! مجھ سے تقاضا کیا ہے! مجھ سے مطالبہ کیا ہے!! میں اس بات کو سمجھانے کے لئے مسجد کے منبر کی مثال دیا کرتا ہوں۔ چونکہ عام طور پر اس کی تین سیڑھیاں ہوا کرتی ہیں۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ظاہر بات ہے کہ اگر کوئی شخص چھلانگ لگا کر تیسری سیڑھی پر چڑھنا چاہے گا تو اوندھے منہ گرے گا۔ صحیح طریقہ یہی ہے کہ اولاً پہلی سیڑھی پر پھر دوسری سیڑھی پر اور پھر تیسری سیڑھی پر پہنچنے کی کوشش کرے۔ ان تین آیات میں گویا عملی اعتبار سے یہ تین مراحل ہیں۔ یہ تین سیڑھیاں ہیں جو ہمارے سامنے آ رہی ہیں۔

اب سب سے پہلی آیت کی طرف توجہ مرتکز فرمائیے: يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ " اے اہلِ ایمان! یا اے ایمان کے دعوے دارو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے۔ اور تمہیں ہرگز موت

نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم فرمانبردار ہو" ـــــــ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ قرآن مجید کا قریباً دو تہائی حصہ مکی سورتوں اور آیتوں پر مشتمل ہے۔ لیکن اس میں آپ کو کہیں "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کے الفاظ نہیں ملیں گے۔ زیادہ سے زیادہ سورۂ حج کے آخری رکوع میں آئے ہیں لیکن اس سورۂ مبارکہ کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ مکی ہے یا مدنی ـــ میرا جو بھی حقیر مطالعہ ہے اس کی رو سے میرا خیال یہ ہے کہ سورۂ حج کا معاملہ یہ ہے کہ یہ برزخی سورہ ہے۔ اس میں مکی آیات بھی شامل ہیں، مدنی بھی اور سفرِ ہجرت کے دوران نازل ہونے والی آیات بھی۔ واللہ اعلم!

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" سے خطاب مدنی دور میں شروع ہوا ہے جبکہ ایک امّت کی تشکیل بالفعل اور بالقوہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا امّتِ مسلمہ سے خطاب کے لئے یہ عنوان اختیار کیا گیا۔ ورنہ اہل ایمان سے خطاب کے لئے سورۂ عنکبوت میں آپ کو یہ الفاظ ملیں گے۔ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا[1] یا سورۂ زمر میں یہ الفاظ مل جائیں گے: یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ۔ لیکن یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ مدنی سورتوں میں کثرت کے ساتھ آئے ہیں۔ مثلاً سورۃ الحجرات کل اٹھارہ آیات پر مشتمل ہے۔ اس میں چھ آیات کا آغاز یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے ہوتا ہے اور دوسری طرف سورۃ الاعراف جو چوبیس رکوعوں پر مشتمل ہے اور وہ حجم کے اعتبار سے طویل ترین مکی سورت ہے۔ اس میں ۲۰۶ آیات ہیں۔ جبکہ آیات کے اعتبار سے سورۃ الشعراء سب سے بڑی مکی سورہ ہے جس کی آیات کی تعداد ۲۲۷ ہے۔ لیکن ان طویل مکی سورتوں میں بھی کہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب نہیں ملے گا۔ لہٰذا پہلی بات تو یہ سمجھئے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے خطاب امّتِ مسلمہ سے ہے۔ اور یہ اندازِ تخاطب مدنی سورتوں میں نظر آتا ہے۔

دوسری بات یہ سمجھئے کہ سورۃ آلِ عمران کا غالب حصہ ۳ھ میں نازل ہوا ہے۔ یعنی غزوۂ احد کے متصلاً بعد۔ لہٰذا ۳ھ کے حالات کو اپنے ذہن میں لائیے: مدینہ میں جہاں ایک کثیر تعداد مومنین صادقین کی ہے، جس میں مہاجرین بھی ہیں اور انصار بھی ہیں، جن کے متعلق سورۂ توبہ میں فرمایا: وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ۔ لیکن ساتھ ہی کچھ ضعیف الایمان لوگ بھی ہیں۔ وہاں منافقین بھی ہیں۔ یہ گروہ وہاں عبداللہ ابن ابیّ کی سرکردگی میں حضورؐ کی مدینہ تشریف لانے کے وقت ہی سے وجود میں آ گیا تھا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ جب نبی اکرم

---

[1] "ترجمہ" اے میرے بندو جو ایمان لائے:

صلی اللہ علیہ وسلّم غزوۂ احد کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو ایک ہزار افراد آپؐ کے ساتھ تھے۔ لیکن پھر عبداللہ ابن ابی کے ساتھ تین سو افراد راستہ ہی سے واپس چلے گئے ۔ اور حضورؐ کے ساتھ صرف سات سو افراد رہ گئے ۔ اگر وہ تین سو افراد سب کے سب منافق نہیں تھے تب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں منافق بھی تھے اور ضعیف الایمان لوگ بھی تھے ۔ اس لئے کہ جو لوگ نبی اکرمؐ کا اس وقت ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں جبکہ یقین سے معلوم ہو کر جنگ ہو کر رہے گی، ان کے لئے ہلکے سے ہلکے الفاظ ہم یہی کہہ سکتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ اُس موقع پر معاملہ گڈ مڈ تھا کہ صادق الایمان لوگ بھی حضورؐ کے ساتھ تھے ایسے لوگ کہ جن کے ایمان و یقین کی وسعت و گہرائی کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ایمان کی گہرائی اور گیرائی کا ہم کیا تصوّر کریں گے ! وہاں کمزور ایمان اور کمزور قوتِ ارادی والے لوگ بلکہ منافقین بھی موجود تھے لیکن قرآن ان سب سے جب خطاب کرتا ہے تو یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے کرتا ہے ۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ پورے قرآن مجید میں کہیں یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا نہیں آیا ۔ یعنی اے منافقو ! کہہ کر کہیں خطاب نہیں کیا گیا ۔ جہاں منافقین سے بات ہوئی ہے وہاں بھی یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہی سے ہوئی ہے ۔ ایسا کیوں ہے ! اس لئے کہ ایمان کے دعوے دار تو وہ (یعنی منافقین) بھی تھے ۔ کلمہ شہادت وہ بھی ادا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کی امامت میں نمازیں وہ بھی ادا کرتے تھے لیکن جب انہیں جنگ کے لئے پکارا جاتا تھا یا جب ان سے انفاق کا تقاضا ہوتا تھا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو یا اللہ کی راہ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلو، تب ان کی جان سوکھتی تھی۔ نمازیں وہ پابندی سے پڑھتے تھے اگرچہ ان کی قلبی کیفیت کے اظہار کے لئے قرآن میں 'کُسَالٰی' کا لفظ آیا ہے کہ نماز کے لئے اٹھتے بھی ہیں تو بڑے کسل کے ساتھ۔ ایک کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان پوری دل کی آمادگی کے ساتھ اٹھے، پورے ذوق و شوق کے ساتھ اٹھے۔ جس کا ایک درجہ وہ بھی ہے جسے ایک حدیث مبارک میں ان الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا کہ وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ [1]

بہرحال جن آیات کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں ۔ ان میں یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب

[1] ترجمہ "اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے" نماز اور مسجد سے گہرے قلبی انس کے لئے یہ اندازِ تعبیر اختیار کیا گیا۔

ہے ۔ چنانچہ اہلِ ایمان سے پہلا تقاضا کیا گیا ۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ : اے ایمان کے دعویدارو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے ۔ تقویٰ کا مفہوم کیا ہے! بچ کر نکلنا ۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ تقویٰ کا اصل مفہوم یہی ہے۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری صحابی ہیں جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا : اَقْرَءُھُمْ اُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ ۔ صحابہ کرامؓ میں قرأتِ قرآن کے سب سے بڑے عالم یہ حضرت ابی ابن کعب ہیں ان سے ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ " تقویٰ " کیا ہے! آپ اسے کیسے Define کریں گے ! تو حضرت ابیؓ ابن کعب نے اس لفظ کی بڑی خوبصورت تشریح کی کہ صحابہ کرامؓ کی اس مجلس کے تمام شرکاء نے تسلیم کیا کہ بے شک یہ اس لفظ کی بہترین تعبیر ہے۔ ان کی توضیح کو میں اپنے الفاظ میں بیان کروں تو وہ یہ ہے :

"اے امیر المؤمنین ! جب کسی شخص کو جنگل میں ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو، جس کے دونوں اطراف میں خار دار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستہ کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور ان کے کانٹوں سے الجھنے نہ پائیں تو اس احتیاطی رویئے کو تقویٰ کہا جائے گا ۔"

اب اس مفہوم کو سامنے رکھ کر اس آیت پر اپنی توجہات کو مرتکز کیجئے ۔ ایمان کے معنی کیا ہیں! یہ کہ آپ نے توحید کے التزام کے ساتھ اللہ کو مانا ، یومِ آخرت کا اقرار کیا اور محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اللہ کا رسول مانا ۔ اب ان ایمانیاتِ ثلاثہ کا تقاضا کیا ہے ! یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے احکام کو مانیے ! وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ " اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ صاف صاف پہنچانے کے سوا ہمارے رسول پر کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے" اور : مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ "جو رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم دیں اسے مضبوطی سے تھامو اور جس سے روکیں ، اس سے رُک جاؤ" ۔ آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا کیا ہے ! یہ کہ : وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُھَا شَفَاعَۃٌ وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ اور بچو اس دن (کی سزا) سے کہ جس دن کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی کام

صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احد کے لئے مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تو ایک ہزار افراد آپؐ کے ساتھ تھے۔ لیکن پھر عبداللہ ابن ابیؓ کے ساتھ تین سو افراد راستہ ہی سے واپس چلے گئے۔ اور حضورؐ کے ساتھ صرف سات سو افراد رہ گئے۔ اگر وہ تین سو افراد سب کے سب منافق نہیں تھے تب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں منافق بھی تھے اور ضعیف الایمان لوگ بھی تھے۔ اس لئے کہ جو لوگ نبی اکرمؐ کا اس وقت ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں جبکہ یقین سے معلوم ہو کہ جنگ ہو کر رہے گی، ان کے لئے ہلکے سے ہلکے الفاظ ہم یہی کہہ سکتے ہیں۔

مختصراً یہ کہ اُس موقع پر معاملہ گڈمڈ تھا کہ صادق الایمان لوگ بھی حضورؐ کے ساتھ تھے ایسے لوگ کہ جن کے ایمان و یقین کی وسعت و گہرائی کا ہم تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے ایمان کی گہرائی اور گیرائی کا ہم کیا تصوّر کریں گے! وہاں کمزور ایمان اور کمزور قوتِ ارادی والے لوگ بلکہ منافقین بھی موجود تھے لیکن قرآن ان سب سے جب خطاب کرتا ہے تو یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے کرتا ہے۔ یہ بات بہت اہم ہے کہ پورے قرآن مجید میں کہیں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ نَافَقُوْا نہیں آیا۔ یعنی اے منافقو! کہہ کر کہیں خطاب نہیں کیا گیا۔ جہاں منافقین سے بات ہوئی ہے وہاں بھی یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہی سے ہوئی ہے۔ ایسا کیوں ہے! اس لئے کہ ایمان کے دعوے دار تو وہ (یعنی منافقین) بھی تھے۔ کلمہ شہادت وہ بھی ادا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں نمازیں وہ بھی ادا کرتے تھے لیکن جب انہیں جنگ کے لئے پکارا جاتا تھا یا جب ان سے انفاق کا تقاضا ہوتا تھا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو یا اللہ کی راہ میں جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلو، تب ان کی جان سوکھتی تھی۔ نمازیں وہ پابندی سے پڑھتے تھے اگرچہ ان کی قلبی کیفیت کے اظہار کے لئے قرآن میں 'کُسَالٰی' کا لفظ آیا ہے کہ نماز کے لئے اٹھتے بھی ہیں تو بڑے کسل کے ساتھ۔ ایک کیفیت یہ ہوتی ہے کہ انسان پوری دل کی آمادگی کے ساتھ اٹھے، پورے ذوق و شوق کے ساتھ اٹھے جس کا ایک درجہ وہ بھی ہے جسے ایک حدیث مبارک میں ان الفاظ سے تعبیر فرمایا گیا کہ وَرَجُلٌ قَلْبُہٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسَاجِدِ[1]

بہرحال جن آیات کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں۔ ان میں یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے خطاب

---

[1] ترجمہ "اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے" نماز اور مسجد سے گہرے قلبی ربط کے لئے یہ اندازِ تعبیر اختیار کیا گیا۔

ہے ۔ چنانچہ اہلِ ایمان سے پہلا تقاضا کیا گیا ۔ اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ " اے ایمان کے دعویدارو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا کہ اس کے تقویٰ کا حق ہے ۔ تقویٰ کا مفہوم کیا ہے ! بچ کر نکلنا ۔ پھونک پھونک کر قدم رکھنا تقویٰ کا اصل مفہوم یہی ہے ۔ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک انصاری صحابی ہیں جن کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا : اَقْرَءُھُمْ اُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ ۔ صحابہ کرامؓ میں قرأتِ قرآن کے سب سے بڑے عالم یہ حضرت ابی ابن کعب ہیں ان سے ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا کہ " تقویٰ " کیا ہے ! آپ اسے کیسے Define کریں گے ؛ تو حضرت ابیؓ ابن کعب نے اس لفظ کی بڑی خوبصورت تشریح کی کہ صحابہ کرامؓ کی اس مجلس کے تمام شرکاء نے تسلیم کیا کہ بے شک یہ اس لفظ کی بہترین تعبیر ہے ان کی توضیح کو میں اپنے الفاظ میں بیان کروں تو وہ یہ ہے :

> " اے امیر المؤمنین ! جب کسی شخص کو جنگل میں ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو جس کے دونوں اطراف میں خاردار جھاڑیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس راستہ کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے کپڑے جھاڑیوں اور ان کے کانٹوں سے الجھنے نہ پائیں تو اس احتیاطی رویے کو تقویٰ کہا جائے گا ۔ "

اب اس مفہوم کو سامنے رکھ کر اس آیت پر اپنی توجہات کو مرکز کیجئے ۔ ایمان کے معنی کیا ہیں ! یہ کہ آپ نے توحید کے التزام کے ساتھ اللہ کو مانا ، یوم آخرت کا اقرار کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانا ۔ اب ان ایمانیاتِ ثلاثہ کا تقاضا کیا ہے ! یہ کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو مانیے ! وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ " اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اگر تم روگردانی کرو گے تو جان لو کہ صاف صاف پہنچانے کے سوا ہمارے رسول پر کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے " اور : مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ " جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم دیں اسے مضبوطی سے تھامو اور جس سے روکیں ، اس سے رُک جاؤ " ۔ آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا کیا ہے ! یہ کہ : وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْھَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُھَا شَفَاعَۃٌ وَّلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝ اور بچو اس دن (کی سزا) سے کہ جس دن کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی کام

نہیں آئے گا اور نہ قبول کیا جائے گا اس کی طرف سے کوئی فدیہ اور نہ کام آئے گی اس کے حق میں کسی کی سفارش اور نہ کسی کی طرف سے ان کو مدد پہنچے گی۔"

پس پہلا تقاضا ہے تقویٰ ۔۔ اگر واقعتہً ایمان دل میں ہے تو ہر لفظ زبان سے نکالنے سے پہلے انسان سوچے گا کہ میرے اس لفظ کی ادائیگی سے اللہ راضی ہوگا یا ناراض! میں اس کو قیامت کے دن Justify کر سکوں گا یا نہیں! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، اسے کہنے کا مجھے حق حاصل ہے یا نہیں! ہر حرکت جو ہمارے اعضاء و جوارح سے ہو، وہ ہاتھ سے ہو، پاؤں سے ہو۔ یہاں تک کہ آنکھ کی حرکت کی بھی جوابدہی کرنی ہوگی۔ حضورؐ نے حضرت علیؓ سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ اے علیؓ! کسی نامحرم عورت پہ پہلی مرتبہ اچانک نگاہ پڑ جائے وہ تو معاف ہوئی لیکن دوسرا مرتبہ اگر نگاہ اٹھی تو وہ معاف نہیں ہے اس لئے کہ یہ انسان کا ارادی عمل ہے ۔ معلوم ہوا کہ زبان آنکھ، کان کا ہر ارادی عمل مسئول ہیں: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا

آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ طرز عمل تھا کہ جب کبھی کسی رستہ میں ان کے کانوں میں گانے بجانے کی آواز آتی تھی تو فوراً اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے اور ساتھ چلنے والے سے پوچھتے تھے کہ اب تو آواز نہیں آرہی! جب ان کو بتا دیا جاتا تھا کہ آواز نہیں آرہی تب وہ کانوں سے انگلیاں نکالتے تھے ۔ معلوم ہوا کہ ہمارا پورا وجود، ہماری آنکھیں ہوں، ہمارے کان ہوں، ہماری زبان ہو ان سب کے استعمال میں ہمیں محتاط رہنا ہوگا۔ زبان کے بارے میں تو حضورؐ نے یہ فرمایا کہ جہنم میں سب سے زیادہ لوگوں کو جھونکنے والی شے یہ زبان ہے ۔ زبان کے غلط استعمال کو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے حَصَائِدُ الْاَلْسِنَةِ قرار دیا ہے۔ یعنی زبان کی وہ کھیتیاں جو آخرت میں کاٹنی ہوں گی ۔۔۔ قرآن خبر دیتا ہے کہ انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اس کے پاس ہی ایک ہوشیار نگران تیار رہتا ہے ۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ پھر یہ کہ ہمارے جو اعضاء و جوارح ہیں ان سے جو حرکت بھی سرزد ہو وہ اس احساس کے تحت ہو کہ مجھے اس کی جواب دہی کرنی ہوگی۔ اور آخرت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا۔ Account for کرنا ہوگا۔ یہ احساس اور یہ روش تقویٰ ہے ۔۔ فرمایا کہ اتنا تقویٰ اختیار کرو جتنا اللہ کے تقویٰ کا حق ہے: اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ ۔ معمولی تقویٰ مطلوب نہیں ہے بلکہ پوری حدود و قیود کے ساتھ مطلوب ہے۔ "حَقَّ تُقٰتِهٖ" کی شان والا تقویٰ درکار ہے ۔ ہم اور آپ تلاوت کرتے وقت اس آیت پر سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں۔ ہمیں خیال ہی نہیں

آتا کہ قرآن کی یہ آیت ہم سے کیا مطالبہ کر رہی ہے۔ لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اس پر گھبرا گئے، لرز اُٹھے کہ کس انسان کے لئے ممکن ہے کہ وہ اتنا تقویٰ اختیار کر سکے جتنا اس کا حق ہے۔ یہاں تو گویا یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ہمارے اعضا و جوارح سے کسی لمحہ بھی کوئی جنبش اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو جبکہ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ اس سے خطا ہو سکتی ہے۔ کہیں جذبات سے مغلوب ہو کر، کہیں غیر شعوری طور پر، کہیں بھول میں خطا کا صدور ہو سکتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ گھبرا گئے اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر فریاد کی کہ ہم میں سے کون ہو گا جو اللہ کا ایسا تقویٰ اختیار کر سکے جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے ـــــ اللہ تعالیٰ بڑا غفور، بڑا رحیم، بڑا رؤف ہے اس نے ان مومنین صادقین کی دل جوئی اور اطمینان کے لئے سورۂ تغابن میں یہ وضاحت فرمائی: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ۔ "اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جتنا تمہارے حدِ امکان میں ہے" اب صحابہؓ کی جان میں جان آئی کہ انسان اپنی استطاعت کے مطابق تو کر سکتا ہے ـــ لیکن یہاں مغالطہ نہ ہو جائے کہ تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی شعوری کوشش یہ سمجھ کر چھوڑ دی جائے کہ ہم میں اس کی استطاعت ہی نہیں ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے کہ کس کو اس نے کتنی استطاعت دی ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی بھی اس مغالطہ میں مبتلا ہو گیا کہ مجھ میں فلاں فرائضِ دینی کی بجا آوری کی استعداد و استطاعت ہی نہیں ہے تو جان لیجئے کہ یہ خالص شیطانی وسوسہ ہے۔ یہ عذرِ گناہ بدتر از گناہ والا معاملہ ہو جائے گا۔

اب اگلے ٹکڑے پر آیئے آیت کا اختتام ہوتا ہے ان الفاظِ مبارکہ پر: وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ لفظی ترجمہ یہ ہو گا۔ "اور ہرگز مت مرنا مگر اسلام (فرماں برداری) کی حالت میں"۔ اسلام کسے کہتے ہیں؟ سرِ تسلیم خم کرنے کو ـــ فارسی زبان میں اس کی تعبیر ہو گی 'گردن نہادن'، انگریزی میں اسے To Submit اور To Surrender کہا جائے گا۔ یعنی کوئی مقابلہ تھا اس میں آپ نے ہتھیار رکھ دیئے، سپر ڈال دی، تو اس رویہ کا نام 'اسلام' ہے۔ تو یوں سمجھئے کہ ہمارا نفس اللہ سے مقابلہ کرتا ہے۔ اللہ کا حکم کچھ ہے، نفس کا تقاضا کچھ اور ہے۔

پس خیر و شر کی کشمکش اور کشاکش انسان کے باطن میں چلتی رہتی ہے لیکن جب انسان ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کر لیتا ہے کہ اب جو اللہ کا حکم ہو گا اور اس کے رسولؐ کا حکم ہو گا بجا لائیں گے، جو اُن کا فرمان ہو گا، اس کے مطابق عمل کریں گے۔ تو یہ اسلام ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ "تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر حالتِ اسلام میں"۔ اس کلام میں جو بلاغت ہے اسے سمجھئے کہ زندگی کے

سفر میں کسی انسان کے پاس کوئی یقینی علم نہیں ہے، وہ کتنی مہلت زندگی لے کر آیا ہے اور اس کی موت کب آئے گی ـــ مجھے کوئی پتہ نہیں کہ درس کے بعد مسجد سے نکلوں اور کوئی ایکسیڈنٹ ہو جائے اور یہ زندگی ختم ہو جائے۔ آپ کا مشاہدہ ہوگا کہ بسا اوقات صبح لوگ نکلتے ہیں اپنے کاروبار کے لئے اور شام کو گھر پر یا لاش پہنچتی ہے یا موت کی اطلاع ملتی ہے۔ تو چونکہ موت کا کوئی وقت ہمیں معلوم نہیں لہٰذا اگر کوئی شخص یہ طے کرلے کہ "میں ہرگز نہیں مروں گا لیکن فرمانبرداری کی حالت میں" ـــ اس کے معنی کیا ہوئے! یہ کہ اسے ہر لمحہ چوکس ہو کر بسر کرنا ہوگا کہ زندگی کا کوئی لمحہ معصیت میں بسر نہ ہو ـــ کیا پتہ موت کا پنجہ کب آکر دبوچ لے! کسی کے پاس کوئی گارنٹی نہیں ہے، کوئی ضمانت نہیں ہے کہ اسی معصیت کے لمحہ میں موت نہیں آجائے گی۔!! اس بات کو سمجھانے کے لئے میں آپ کے سامنے ایک حدیث رکھتا ہوں، حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے راوی ہیں اور یہ متفق علیہ روایت ہے:

لَا یَزْنِی الزَّانِی حِیْنَ یَزْنِی وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ الْخَمْرَ حِیْنَ یَشْرَبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ

"کوئی زانی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرتا، کوئی چور ایمان کی حالت میں چوری نہیں کرتا اور کوئی شرابی حالتِ ایمان میں شراب نہیں پیتا۔"

جس وقت وہ یہ عمل کر رہا ہے۔ اس وقت ایمان کی اصل حقیقت اس کے دل سے نکل چکی ہے۔ اگرچہ وہ اس معصیت سے کافر نہیں ہوتا۔ یہ بات ذہن میں رکھئے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا موقف صد فی صد درست ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کافر نہیں ہو جاتا۔ لیکن وہ قلبی یقین والا ایمان اس وقت موجود نہیں ہوتا۔ اگر ہو تو زنا کیسے کرے! اگر وہ قلبی ایمان ہو تو چوری کیسے ہو! شراب کیسے پیئے! اب آپ غور کیجئے کہ جس وقت کوئی شخص ان میں سے کوئی کام کر رہا ہے اور عین اس وقت اس کی روح قبض کر لی جائے تو یہ موت کس قدر حسرت ناک موت ہوگی ـــ یہ فرمانبرداری کی حالت کی موت تو نہیں ہوئی بلکہ اس کے برعکس حالتِ نافرمانی کی موت ہوئی۔ اس سے بچنے کی صرف ایک ہی شکل ہے کہ انسان محتاط رہے کہ کوئی بھی لمحہ نافرمانی میں بسر نہ ہو۔

میں یہ عرض کر دوں کہ تقویٰ کے موضوع پر میرے محدود علم کی حد تک قرآن مجید کا سب سے زیادہ مؤکد مقام یہی ہے۔ تقویٰ کے ساتھ تو فرمایا: حَقَّ تُقٰتِہٖ یعنی تقویٰ اختیار کرو جتنا اللہ کا حق ہے اور آگے فرمایا "دیکھنا ہرگز موت نہ آئے مگر حالتِ فرمانبرداری میں" وَلَا

تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۔ یہ ہے پہلا نکتہ، یہ ہے پہلی سیڑھی جس پر ہر مسلمان کو مضبوطی سے قدم جمانے کی پرزور تاکید اور اس کا پرزور حکم آیا ہے۔ اگر یہیں قدم نہیں جمے ہیں تو اگلی بات کرنا بیکار ہے۔ اگلی بات کرنا ذہنی عیاشی بن جاتی ہے۔ سورۃ البقرہ میں یہود کے علماء کے بارے میں کہا گیا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو! درآنحالیکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو، تمہارے پاس توریت ہے"۔ یہ طرزِ عمل جو یہود کے علماء کا تھا ہمیں اپنے معاشرہ میں بھی نظر آجاتا ہے کہ تلقین بھی ہے، وعظ و نصیحت بھی ہے، بڑے اعلیٰ مقالات بھی لکھے جا رہے ہیں، بڑی عمدہ تقاریر بھی ہو رہی ہیں۔ لیکن خود ان کے قریب ہو کر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنی زندگی میں وہ تقویٰ، اپنی زندگی میں وہ اسلام، اپنی زندگی میں وہ فرمانبرداری کی روش، اپنی زندگی میں وہ حلال و حرام کی پابندی مفقود ہے، حالانکہ ہمارے دین کا بنیادی تقاضا فرد سے یہ ہے کہ وہ تقویٰ اختیار کرے۔ جتنا اس کا حق ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ: حکم و عبر

گرامی، برادران عزیز اور محبان ذوی القدر ہمارے سب سے زیادہ مخاطب ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ ایسے حضرات کی زندگیاں اسلام کے اصول اخلاق کا چلتا پھرتا نمونہ ہوں کہ انہی سے باقیوں کو راہ پکڑنی ہے ـــــ رب العزت خود ہمیں بھی اس مبارک تعلیم کا عامل بنائے

آمین بحرمۃ سید المرسلین علیہ التحیۃ والتسلیم

بقیہ: ہدایت القرآن

جب انسان کی اچھی بُری کمائی سے اس کی ذات کو کوئی فائدہ اور نقصان نہیں پہونچتا تو اس میں مستقلاً قہر و غضب کی صفت کیونکر ہوگی، بلاشبہ اس کی صفت کی تعبیر قہار سے کی گئی ہے اور جبار سے بھی کی گئی ہے لیکن وہ عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے ہے اور اسی کا ایک پہلو ہے کہ جس سے فساد و خرابی دور کر کے خوبی و بناؤ پیدا کرنا مقصود ہے جو اس کے بغیر نہیں ہو سکتا۔

(باقی آئندہ)

قسط ۴

ہدایت القرآن

مولانا محمد تقی امینی

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ قرآن کتاب ہدایت ہے جو اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اتاری ہے اور سورۂ فاتحہ اس کتاب کا پہلا سبق ہے جس میں اللہ، انسان اور ہدایت کا ذکر ہے، جب تک ان تینوں کے بارے میں ابتدائی اور بنیادی باتیں نہ معلوم ہوں اس وقت تک کتاب ہدایت کی نہ اصل حقیقت سمجھ میں آئے گی اور نہ اس پر عمل کرنے کی راہیں کھلیں گی، چنانچہ پہلے سبق (سورۂ فاتحہ) میں ان تینوں کے بارے میں ابتدائی اور بنیادی باتیں اس طرح ہیں کہ پہلے اللہ کا ذکر اس کی نہایت دلکش و جامع صفتوں کے ساتھ ہے۔ مثلاً

(۱) اللہ رب العالمین ہے یعنی انسان ہی نہیں بلکہ اس کے علاوہ جس قدر موجودات و مخلوقات ہیں ان سب کی وہ اس طرح پرورش کرتا ہے کہ ہر ایک کے حسب حال اور اس کی ضروریات کے مطابق حفاظت، نگرانی اور ترقی کا سروسامان مہیا کرتا ہے اس لحاظ سے وہ کسی گروہ، نسل، قوم، خطہ اور ملک کا اللہ نہیں ہے بلکہ وہ سب کا یکساں اللہ ہے اور سب کا ہر حال میں (کسی خصوصیت و کمی بیشی کے بغیر) اللہ ہے۔

(۲) اللہ رحمٰن و رحیم ہے یعنی اس کی پرورش رسمی اور ضابطہ کی خانہ پُری جیسی نہیں ہے بلکہ انتہائی محبت و رحمت کے ساتھ ہے۔ ایسی محبت جس میں جوش و خروش ہے اور ایسی رحمت جس کی مسلسل بارش ہے ایسا جوش جو ابلا پڑ رہا ہے اور ایسی بارش جو رکے نہیں رک رہی ہے۔ جو پرورش اس انداز کی ہوگی لازمی طور سے اس میں لائق و نالائق، فرماں بردار و نافرمان اچھے اور بُرے میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ بلکہ سبھی سے اس کو محبت ہوگی اور سبھی اس کی رحمت سے یکساں فائدہ اٹھانے کے مستحق ہوں گے۔ چنانچہ اس نے پیار و محبت سے بھرا جو خطاب انسانوں سے کیا ہے وہ یٰعِبَادِیْ (اے میرے بندو) ہے۔ یہ خطاب قرآن میں تقریباً بیس جگہ ہے جس طرح فرماں برداروں کے لیے ہے۔

قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّکُمْ	آپ کہہ دیجئے اے میرے (اللہ کے)
لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا	بندو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرتے رہو
حَسَنَةٌ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ اِنَّمَا یُوَفَّی	جو لوگ اس دنیا میں حسن عمل کریں گے ان

الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ

(سورہ زمر آیت نمبر ۱۰)

کے لیے اچھا صلہ ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے جو لوگ ثابت قدم رہنے والے ہیں ان کو اس کا صلہ بے حساب پورا کیا جائے گا۔

اسی طرح نافرمانوں کے لیے ہے۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

(زمر آیت ۵۳)

آپ کہہ دیجئے اے میرے (اللہ کے) بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں بیشک اللہ تمام گناہوں کو بخشدے گا وہ بڑا ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

خطاب کا یہ انداز صرف اللہ کی محبت و شفقت ہی کو نہیں ظاہر کرتا ہے بلکہ انسان کو یہ سوچنے اور سمجھنے پر بھی مجبور کرتا ہے کہ ہم جیسے اور جس حال میں بھی ہوں اس کی رحمت و محبت سے دور نہیں ہیں وہ بہر حال ہمارا ہے اور ہم بہر صورت اس کے ہیں۔

اللہ کی اس محبت و شفقت نے شرک و بت پرستی کے تمام دروازے بند کر دیے، اب اللہ کو راضی کرنے، اس کی ناراضگی دور کرنے اور اس سے لینے دینے کے لیے کسی چور دروازہ سے داخل ہونے کسی اور کے سامنے جھکنے یا کسی اور کو نیاز دینے و نذرانہ چڑھانے کی ضرورت نہ رہی۔

(۳) وہ مالک یوم الدین ہے یعنی اس کی پرورش میں محض اندھی محبت کارفرما نہیں ہے جو کمزوری کا نتیجہ ہوتی اور تمام پہلوؤں کو ملحوظ نہیں رکھ سکتی ہے بلکہ اس کی محبت حکمت و دانائی کے ساتھ ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ رحمٰن و رحیم کے ساتھ عادل و منصف بھی ہے مالک یوم الدین (بدلہ کے دن کا مالک ہے) یہ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ انسان کی اچھی بری کمائی کے لیے اس نے جزا و سزا کا قانون مقرر کر رکھا ہے۔ اگر یہ قانون نہ ہو تو دنیا کھلنڈرے کا کھیل بن جائے اور کوئی کسی کو جینے کا حق بھی دینے کے لیے تیار نہ ہو۔ انسان کے سامنے چونکہ زندگی اور دنیا کے تمام پہلو نہیں ہوتے ہیں۔ اس بناء پر فوری جزا یا سزا نہ ہونے کی وجہ سے طرح طرح کی غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے یا واقعات و حالات کی غلط توجیہ پر مجبور ہو جاتا ہے۔ واقعات و حالات میں غلط فہمی یا ان کی غلط توجیہ کے چند مواقع یہ ہیں۔

(۱) انسان یہ سمجھتا ہے کہ سب کچھ یہی زندگی ہے اگر اس میں اس نے جزا اور سزا کو نہ دیکھا تو آخرت

کی خبر خدا جانے" کہہ کر بات ٹال دیتا ہے حالاں کہ خود زندگی کے واقعات و حالات گواہی دیتے ہیں کہ بات اسی زندگی پر نہ ختم ہونی چاہیئے بلکہ اس سے آگے بھی کچھ ہونا چاہیئے جس میں مظلوم کی دادرسی اور ظالم کی پکڑ ہو، اچھے کو اچھائی کی جزا اور برے کو برائی کی سزا ملے، یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ موت کے بعد بھی زندگی تسلیم کی جائے، موت پر زندگی ختم نہ ہو بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہے، دراصل زندگی کا سلسلہ بہت طویل ہے موت کی حیثیت درمیان میں "وقفہ" کی ہے کہ اس کے بعد آگے کی منزل طے کرنی ہے، جزاء اور سزا کو سمجھنے میں موت کے بعد کی زندگی کو نظر انداز نہ ہونے دینا چاہیئے کہ اصل حساب کا دن زندگی کا وہی حصہ ہے جو موت کے بعد ہے۔

(۲) اچھے کام کی جزا میں تاخیر ہوتی اور برے کام کی سزا میں مہلت و ڈھیل دی جاتی ہے۔ بسا اوقات زیادہ تاخیر اور ڈھیل سے غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے حالانکہ یہ غلط فہمی بھی زندگی کے تمام گوشوں کو سامنے نہ رکھنے اور دنیا کا نظام چلانے میں جن جن رعایتوں کی ضرورت ہوتی ہے ان سے واقف نہ ہونے سے پیدا ہوتی ہے، فوری جزاء اور سزا دینے میں انسان کی حالت بدل جائے یا نظام عالم میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے، انسان کے سامنے ایک پہلو یا چند کام ہوتے ہیں اور اللہ کے سامنے سارے پہلو اور سارے کام ہوتے ہیں۔ تاخیر اور ڈھیل میں ان سب کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ جس کے بغیر کوئی نظام نہیں چل سکتا۔

(۳) اللہ مالک و مختار ہے کسی کے تابع نہیں ہے اس کے فضل خاص و رحمت خاصہ کا ایک "خانہ" ہے اور بڑا خانہ ہے جس کے لیے یقیناً قاعدہ و قانون مقرر ہیں لیکن وہ انسان کی دسترس سے باہر ہیں۔ واقعات و حالات سے بیشک فضل خاص و رحمت خاصہ کا پتہ لگایا جا سکتا ہے لیکن ان کو قاعدہ و قانون میں سمیٹنا اور جزاء و سزا کے عام قانون کے تحت سمجھنا آسان نہیں ہوتا۔

(۴) کسی سے کوئی بڑا اور خاص کام لینا ہوتا ہے جو عام حالات میں نہیں انجام پا سکتا ہے یا عام قانون کے تحت اس کو نہیں لایا جا سکتا ہے تو اس کے لیے خاص حالات پیدا کیے جاتے ہیں اور خاص قانون کے تحت لایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کو سخت آزمائشوں سے گذارا جاتا اور اس کے دل و دماغ کے "آئینہ" کو آزمائشوں کے پتھر سے پگھلا جاتا ہے جس کے بعد وہ چمک پیدا ہوتی ہے جو اس خاص یا بڑے کام کے لیے درکار ہوتی ہے۔

(۵) زندگی ہی میں یا موت کے بعد اللہ کسی کو خاص درجہ و مقام دینا چاہتا ہے۔ جو عام حالات میں نہیں دیا جا سکتا ہے تو اس کے لیے بھی خاص حالات پیدا کیے جاتے ہیں جن کے لیے خاص آزمائشیں

ہوتی ہیں جن سے گذارنا پڑتا ہے اس قسم کے بہت سے مواقع اور بہت سی شکلیں ہوتی ہیں جن کو جزاء وسزا کے عام قانون کے تحت سمجھنے کی کوشش ہوتی ہے جو عام حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں حالانکہ ان کو خاص قانون کے تحت سمجھا جا سکتا ہے جو خاص حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں ان تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے غلط توجیہ کی جاتی اور طرح طرح کی غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ غرض عام حالات ہوں یا خاص حالات ہوں عام قانون کے تحت ہوں یا خاص قانون کے تحت ہوں، فضلِ خاص ہو یا رحمت خاصہ کی شکل ہو نتیجہ کے لحاظ سے ابتداءً اعمال کے جزاء ہی تک بات پہونچائی جاتی ہے اگرچہ وہ بیحد وحساب ہو۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ ہماری ناقص معلومات کی بنا پر وہ اعمال نہ سمجھ میں آئیں جن کی جزاء ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جگہ جگہ جزاء وسزا کے قانون کو کسب (کمائی) سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (سورہ مدثر آیت ۳۸)

ہر جان اپنی کمائی کے بدلہ میں گرو ہوگی۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

(سورہ بقرہ آیت ۲۸۲)

ہر ایک کے لیے وہی کچھ فائدہ ہے جو اس نے کمایا اور اسی کا مواخذہ ہے جو اس نے کمایا اسی اچھی کمائی سے اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل ہوتی اور بری کمائی سے اس کی ناراضگی و ناخوشی ہوتی ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے غور کرنے کی ہے کہ اللہ کے تعارف میں تین صفتیں ذکر کی گئیں (۱) ربوبیت (۲) رحمت اور (۳) عدالت۔ کسی قہر وغضب کی صفت کا ذکر نہیں ہے، ربوبیت پرورش کرتی ہے۔ رحمت بخشش کے دریا بہاتی ہے اور عدالت سے فساد وخرابی دور ہو کر بناؤ وخوبی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ کا قہر وغضب مستقلاً نہیں ہے کہ اس کو خوف ودہشت کی طاقت سمجھا جائے اور اس کے قہر وغضب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے کسی کی پرستش کی جائے یا اس پر قربانی وغیرہ چڑھائی جائے۔ بظاہر جس قدر بھی قہر وغضب کی شکلیں نظر آتی ہیں وہ عدل وانصاف کے تحت فساد وخرابی دور کر کے بناؤ وخوبی پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہیں جس طرح ڈاکٹر بدن کی اصلاح کے لیے پھوڑے کا اپریشن کرتا ہے یا شفیق استاد بچہ کی تربیت کے لیے اس کی شرارت پر تنبیہ کرتا ہے اور اس کا تمام تر فائدہ مریض اور بچہ کو پہونچتا ہے اسی طرح فساد وخرابی دور کرنے کے لیے جس قدر اللہ کی طرف سے آپریشن یا تنبیہ کی ضرورت ہوتی ہے اس کا تمام تر فائدہ انسان ہی کو پہونچتا ہے اصلاً قہر وغضب کی بات وہاں بنتی ہے جہاں اس کی ذات کا سوال ہو، اللہ ہر چیز سے بے نیاز ہے اس کو کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے

باقی ص۳۲ پر

حیاتِ سلیمانی کا ایک اہم ورق

(سید سلیمان ندویؒ اور ادارۂ الہلال)

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

مولانا سید سلیمان ندوی کی زندگی کا ایک اہم واقعہ ادارہ الہلال کلکتہ میں بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر کے ان کی شمولیت ہے۔ اس دور کے اخبارات و رسائل میں الہلال پہلا رسالہ تھا جس کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں وقت کے چند ایسے اہل علم نے کام کیا جو بعد میں علم و تحقیق کی دنیا میں بہت مشہور ہوئے اور علم و ادب، تاریخ و سیاست، تحقیق و تصنیف اور صحافت میں انہوں نے اپنے نقش قدم دوسروں کے لئے رہنما چھوڑے ان میں سید سلیمان ندوی نے علم و تحقیق میں جو مقام پیدا کیا اور ان کے قلم کو سند و اعتبار کا جو درجہ ملا، وہ کسی کے حصہ میں نہیں آیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد سے سید سلیمان ندوی کی ملاقات ۱۹۰۵ء کے اواخر میں لکھنؤ میں ہوئی تھی۔ سید صاحب اس وقت تک تعلیم سے فارغ نہیں ہوئے تھے وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم تھے۔ علامہ شبلی ۱۹۰۴ء میں حیدرآباد دکن سے ترک تعلق کر کے لکھنؤ پہنچے تھے اور ندوۃ العلماء کی نظامت اور الندوہ کی ادارت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی۔ مولانا آزاد سے ان کی ملاقات بمبئی میں ہو چکی تھی اور انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ اگر جوہر قابل کی تربیت پر توجہ دی جائے تو اس کے فکر و نظر اور علم و تحقیق کی چمک دمک ایک دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرے گی۔ مولانا آزاد کو علامہ مرحوم کے علم و فضل نے متاثر کیا۔ وہ ان کے علمی و فکری کارناموں سے پہلے ہی واقف تھے۔ ستمبر یا اکتوبر ۱۹۰۵ء میں مولانا آزاد ایک روز لکھنؤ پہنچ گئے اور حضرت علامہ مرحوم کی ملاقات سے خوش وقت ہوئے۔ حضرت مرحوم نے انہیں "الندوہ" کا نائب مدیر مقرر کر دیا۔ اکتوبر ۱۹۰۵ء کا شمارہ مولانا نے مرتب کیا تھا۔ وہ کئی ماہ تک مسلسل لکھنؤ میں مقیم اور مارچ ۱۹۰۵ء تک الندوہ کو مرتب کرتے رہے۔ لکھنؤ میں اسی قیام

کے دوران میں مولانا آزاد کی ملاقات ان چند حضرات سے ہوئی جنہوں نے نہ صرف ندوۃ العلماء کی تاریخ اور فضلاءِ ندوہ کی صف میں امتیاز حاصل کیا بلکہ اپنے علمی کاموں کی بدولت ہندوستان پاکستان کی تاریخ ادب و ثقافت اور دنیائے علم و تحقیق میں اپنا مستقل مقام پیدا کر لیا۔ ان حضرات میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا عبدالباری ندوی اور مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی شامل ہیں۔ یہ سب حضرات علامہ شبلی مرحوم کے چہیتے شاگرد اور مولانا آزاد حضرت مرحوم کے مہمان عزیز اور دارالندوہ کے نائب مدیر تھے۔ اس زمانے میں ان حضرات کے مولانا آزاد سے جو دوستانہ روابط ہوئے وہ زندگی بھر قائم رہے۔ ان میں سے مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا عبدالسلام، مولانا آزاد کے الہلال میں معاون بھی رہے اور مولانا عبدالرحمٰن ندوی نگرامی نے ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد کے اخبار پیام کلکتہ میں ان کی رہنمائی میں کام کیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد چند ماہ کے بعد لکھنو سے امرتسر چلے گئے اور "وکیل" کے مدیر مقرر ہوئے۔ اسی سال کے آخر میں وکیل سے قطع تعلق کر کے کلکتہ چلے گئے۔ ۱۹۰۷ء کے شروع میں دارالسلطنت کے اجرا کا ڈول ڈالا لیکن یہ سلسلہ چند ماہ سے زیادہ قائم نہ رہا۔ اس لئے دوبارہ پھر وکیل میں چلے گئے۔ امرتسر میں وکیل کی ادارت کے دوران میں بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ انہوں نے اپنا اخبار نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگرچہ اس کے اجرا کے انتظام میں نیز عراق کے سفر کی وجہ سے کئی سال گذر گئے اور الہلال کا پہلا پرچہ ۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو نکل سکا۔

مولانا آزاد کو الہلال میں اپنے معاونین کی ضرورت پیش آئی تو سب سے پہلے نظر حضرت علامہ شبلی مرحوم کے حلقہ علمی پر پڑی کہ مولانا آزاد کے افکار و خیالات سے قریب اور مخلص وہی حضرات تھے۔ مولانا ان کے فکر و نظر اور ان کے قلم پر اعتماد کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس حلقے سے عبدالواحد ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی اور سید سلیمان ندوی الہلال کے اسٹاف میں شریک ہوئے۔ ایک اور حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی رکن الدین (رانا ندوی سہسرامی بھی کچھ عرصہ الہلال میں رہے تھے مولانا عبداللہ العمادی کا تعلق اگرچہ فضلاءِ ندوہ سے نہ تھا لیکن وہ بھی حضرت شبلی مرحوم

کے مخلص اور اسی دائرہ خیال کے فاضل تھے - الہلال کے اسٹاف میں مندرجہ ذیل حضرات نے مختلف اوقات میں کام کیا -

۱ - مولوی عبدالواحد ندوی - یہ صاحب کان پور کے رہنے والے تھے - الہلال میں سید صاحب سے پہلے گئے تھے - الہلال میں ان کے ذمے عربی اخبارات سے نقل و اقتباس اور ترجمہ کا کام تھا - سید سلیمان ندوی نے اکتوبر ۱۹۱۳ء کے خط میں انکے رخصت پر ہونے کا ذکر کیا ہے - مولانا عبدالماجد دریابادی نے مکتوبات سلیمانی کے حاشیے میں لکھا ہے کہ مولوی عبدالواحد ندوی کانپوری اس وقت الہلال کے اسٹاف میں تھے - بعد کو ایم اے کرکے کانپور کے کسی کالج میں فارسی کے پروفیسر ہو گئے تھے - فروری ۱۹۶۳ء میں جب مولانا دریابادی مکتوبات سلیمانی کو مرتب کر رہے تھے، موصوف کانپور میں موجود تھے -

۲ - مولانا عبداللہ العمادی - عمادی صاحب جونپور کے رہنے والے اپنے وقت کے منجھے ہوئے صحافی، نہایت قابل اور صاحب استعداد شخص تھے - الہلال سے قبل البیان اور الندوہ لکھنؤ اور وکیل اور تہذیب الاخلاق امرتسر اور کئی دوسرے اخبارات و رسائل میں خدمت انجام دے چکے تھے - وہ ہلکے پھلکے مضامین "خدا بندہ" کے نام سے لکھتے تھے جو "عبداللہ" کا ترجمہ ہے - سید صاحب نے ۲۴ - اکتوبر ۱۹۱۳ء کے اپنے خط میں لکھا ہے کہ مولانا عمادی ایک مہینہ ہوا کہ رخصت پر گھر گئے اور اب ان کی مراجعت کی امید ضعیف ہے - واقعہ بھی یہی ہوا کہ وہ پھر لوٹ کر نہیں آئے - مولانا دریابادی نے ان کے لئے "مشہور اہل قلم اور علوم اسلامی کے ماہر" کے الفاظ استعمال کئے ہیں - بعد میں دائرۃ المعارف اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد (دکن) سے وابستہ ہو گئے تھے - ۲۸ اگست ۱۹۴۶ء کو وطن سے دور دکن میں انتقال کیا اور وہیں پیوند خاک ہوئے -

۳ - مولانا عبدالسلام ندوی - ندوہ کے فاضل، علامہ شبلی کے خاص شاگرد اور ندوہ میں ان کی پالیسی کے ترجمان بلکہ مجاہد تھے - الہلال میں سید صاحب سے پہلے شریک ہوئے اور بعد تک رہے - ۱۹۱۴ء کے شروع میں جب ندوۃ العلماء کے حالات دگرگوں ہوئے، اور انتظامیہ، عملے اور طلبہ میں اختلافات پیدا ہوئے تو انہوں

نے کھل کر علامہ شبلی مرحوم کا ساتھ دیا اور ایک مدت تک لکھنؤ میں رہ کر انتظامیہ کے خلاف تحریک کی رہنمائی کی۔ ندوہ میں طلبہ کی اسٹرائک ان ہی کے ایک مضمون کی وجہ سے ہوئی تھی۔ علامہ شبلی مرحوم کو سیرت نبوی کی تالیف میں انہوں نے بہت مدد دی اور اس سلسلے میں حضرت مرحوم کے لٹریری اسسٹنٹ کے طور ان کے ساتھ رہے آخر ۱۹۱۴ء میں وہ کچھ دن کے لئے الہلال میں دوبارہ آ گئے تھے۔ اور نومبر ۱۹۱۴ء میں الہلال بند ہونے تک اس میں رہے۔

ہم نے یہاں لفظ "دوبارہ" استعمال کیا ہے۔ لیکن اگر صورت حال یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۱۳ء کے آخر میں رسمی طور پر الہلال سے تعلق منقطع نہ کیا ہو اور طویل رخصت پر وہ ہوں تو خواہ رخصت کی مدت کتنی ہی طویل ہو، رخصت کے بعد کام شروع کرنے کے لئے "دوبارہ" کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔

مولانا عبدالسلام ندوی کا ایک مضمون "الاعتصاب فی الاسلام" کے عنوان سے الہلال میں نکلا جو بہت مشہور ہوا۔ "الاعتصاب" کا لفظ ہڑتال اور اسٹرائک کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ ہڑتال کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر سے بحث دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ کی اسٹرائک سے چھڑ گئی تھی۔ مولانا عبدالسلام کا یہ مضمون ۲۹ جولائی ۱۹۱۴ء سے لے کر ۹ ستمبر ۱۹۱۴ء تک پانچ قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعض خیالات پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے ان کا تعاقب بھی کیا لیکن مولانا عبدالسلام کا یہ مضمون اپنے دلائل کی محکمی اور استدلال کی پختگی میں آج بھی اس موضوع پر حرف آخر ہے۔

۴۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے ۳۱ جنوری ۱۹۱۴ء کے مکتوب بنام مولانا عبدالماجد دریابادی میں لکھا ہے:

"مولوی رکن الدین نے لکھا تھا کہ "مشرق" میں الہلال کے متعلق ہاشمی نذیری نے کچھ لکھا ہے، جو کچھ دنوں کے لئے میرے بعد الہلال میں گئے تھے"۔

مولانا دریابادی نے اس پر حاشیے میں واضح کیا ہے کہ مشرق گورکھپور مسلک میں الہلال کا مخالف تھا اور شاہ نذیر ہاشمی غازی پوری اپنے زمانے کے مشہور صحافی اور مشرق کے ہمنوا تھے اور تعجب کیا ہے کہ شاہ نذیر صاحب اپنے خیالات

کے ساتھ الہلال سے منسلک ہوئے۔ لیکن میرے خیال میں "جو" کی ضمیر مولوی رکن الدین رانا ندوی سہسرامی کی طرف راجع ہے نہ کہ شاہ نذیر ہاشمی کی طرف۔

۔نذیر ہاشمی کی الہلال سے وابستگی کا اب تک کوئی اور ثبوت نہیں ملا جب کہ مولانا صاحب کی الہلال سے وابستگی یا کم از کم الہلال میں انکی موجودگی کا پتا سید سلیمان ندوی کے نام مولانا آزاد کے ایک خط مورخہ جنوری ۱۹۱۴ء ہی سے چلتا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں۔

"مولوی آزاد سبحانی کے متعلق اور لوگوں کا بھی یہی بیان ہے۔ یہاں بھی وہ آتے تھے، میں نہ تھا۔ مولوی رکن الدین میں اور ان میں سخت مجادلہ ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ میری کامیابی میری قوتِ بیانیہ کا نتیجہ ہے۔ رانا صاحب نے نہ مانا۔

اس اقتباس سے غیر مشتبہ طور پر جو بات سامنے آتی ہے، وہ الہلال میں رانا صاحب کی موجودگی ہے نہ کہ شاہ نذیر ہاشمی غازی پوری کی! اس لئے میرا خیال ہے کہ سید صاحب کے الہلال سے نکلنے کے بعد مولوی رکن الدین رانا ندوی سہسرامی کچھ عرصے کے لئے الہلال کے اسٹاف میں شریک ہوئے ہوں گے۔

۵ - علامہ سید سلیمان ندوی - الہلال سے سید صاحب کی وابستگی اور علیحدگی کی قطعی تاریخ تو معلوم نہیں ہوئی لیکن اکتوبر ۱۹۱۳ء میں وہ الہلال میں موجود تھے اور خود ان کی اپنی تصریح کے مطابق چار یا پانچ مہینے الہلال سے وابستہ رہے تھے۔ مکتوبات سلیمانی میں مولانا عبدالماجد دریا بادی کے ایک حاشیے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید صاحب مئی ۱۹۱۳ء میں الہلال میں چلے گئے تھے۔ اس لئے ہمیں مئی اور اکتوبر کے درمیان ان چار پانچ مہینوں کا تعین کر لینا چاہیئے۔ انسلاک و ترک کی قطعی تاریخوں کا تعین پیش نظر مواد کی روشنی میں مشکل ہے

مولانا عبدالماجد دریا بادی کے نام سید سلیمان ندوی نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے خط میں لکھا تھا کہ وہ الہلال سے دل برداشتہ اور وہاں سے نکلنے اور روانہ ہو جانے کے لئے پا بہ رکاب ہیں، اور بلا شبہ اس کے چند ہی دن کے بعد انہوں نے کلکتہ چھوڑ دیا۔ اور پونا کالج میں عربی، فارسی کے اسسٹنٹ پروفیسر ہو کر چلے گئے۔ سید صاحب نے یہ فیصلہ اپنے استاد حضرت علامہ شبلی مرحوم کے مشورے سے

کیا تھا اور علامہ مرحوم ہی کے ایما سے وہ الہلال میں گئے تھے - دراصل پونا کالج میں سید صاحب کی ملازمت کا انتظام حضرت علامہ ہی نے کیا تھا -

مولانا ابوالکلام آزاد چونکہ الہلال کو ایک خاص انداز سے چلانے، البصائر کے نام سے ایک علمی مجلے کے اجراء اور دعوت قرآنی کو پھیلانے اور ملت اسلامیہ کی بیداری کی تحریک کو چلانے میں اس مجمع علمی سے کام لینا چاہتے تھے، اس سلسلے میں انہیں سید صاحب کی علمی و فکری صلاحیتوں پر خاص اعتماد اور اس تحریک میں ان کے بہترین تعاون کی توقع تھی - سید صاحب نے الہلال کو چھوڑنے اور پروفیسری قبول کر لینے کا فیصلہ مولانا آزاد کے مشورہ و علم کے بغیر کیا تھا اس لئے انہیں سید صاحب کے فیصلے سے قلق ہوا اور صاف لفظوں میں اس کا اظہار بھی کر دیا - نومبر، دسمبر کے کئی خطوں میں مولانا نے سید صاحب کو الہلال میں دوبارہ آنے اور الہلال کو اسے کلیتہً اپنے ہاتھ میں لے لینے کی پیش کش کی لیکن سید صاحب جو فیصلہ کر چکے تھے اس پر قائم رہے اور شاید اسی اٹل فیصلے کا نتیجہ تھا اور تعلقات کا لحاظ کہ انہوں نے کسی خط کا صاف جواب نہ دیا - آخر کار ۹ جنوری ۱۹۱۴ء کو مولانا آزاد نے انہیں ایک آخری رجسٹری خط لکھا اور لیت و لعل کے بجائے لا دنعم میں ان سے جواب دینے پر اصرار کیا - مولانا لکھتے ہیں :

بہر حال آج اپنے شورش قلبی سے مجبور ہو کر ایک بار اور کوشش وصل کرتا ہوں لیکن ہجر مقدر ہو چکا ہے تو غیر از صبر چارہ نہیں -

معلوم نہیں اس خط کا کیا نتیجہ نکلے - ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ بھی بدگمانیوں کی نذر نہ ہو - تاہم خدائے علیم و بصیر میرے دل کو دیکھ رہا ہے کہ اس وقت ہر حرف جو لکھ رہا ہوں، کس عالم میں لکھ رہا ہوں - خدارا یقین کیجئے کہ سچائی اور صداقت، محبت و درد اور ایک گہرے حزن و ملال کے سوا اور کوئی چیز اس وقت میرے دماغ میں نہیں ....

آپ نے پونا میں پروفیسری قبول کر لی - حالانکہ خدا نے آپ کو درس و تعلیم مدارس سے زیادہ عظیم الشان کاموں کے لئے بنایا ہے - خدا کے لئے میری سنیئے اور مجھے اپنا ایک مخلص بھائی تصور کیجئے - میں آپ کی عزت کرتا ہوں

اور خدا شاہد ہے کہ آپ کی محبت اپنے دل میں رکھتا ہوں۔ میں خود غرض ہوں اور میری غرض میری خواہش میں عنصر اصلی ہے۔ تاہم میری خود غرضی آپ کے لئے مضر نہیں بلکہ بہتر ہے۔ کیا حاصل اس سے کہ آپ نے چند طالب علموں کو فارسی و عربی سکھلا دی۔ آپ میں وہ قابلیت موجود ہے کہ آپ لاکھوں نفوس کو زندگی سکھلا سکتے ہیں۔

میرے تازہ حالات آپ کو معلوم نہیں۔ گھر میں علالت میری موجودگی میں بڑھ گئی اور اب اس درجہ حالت ردی ہے کہ اپنی قسمت حیات کے فیصلے کو بہت قریب پاتا ہوں۔ خود میری حالت ایسی ہے کہ خدا شاہد ہے کہ مسلسل چار گھنٹے کام نہیں کر سکتا۔ ورنہ آنکھوں میں تاریکی چھا جاتی ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ الہلال ایک تحریک تھی، جس نے استعداد پیدا کی لیکن استعداد سے معًا کام لینا چاہیئے اور میں نے قطعی ارادہ کر لیا ہے کہ خواہ الہلال کی کچھ ہی حالت کیوں نہ ہو، کام شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ شروع بھی کر دیا ہے ایسی حالت میں قیامت ہے کہ اگر آپ باوجود استطاعت و طاقت رکھنے کے میری اعانت سے انکار کر دیں۔

آپ یاد رکھیئے کہ ان مصائب و موانع کی وجہ سے میں مجبور ہوا یا بہ گِل رہ گیا تو قیامت کے دن یقینًا آپ اس کے ذمہ دار ہوں گے کہ آپنے ایک بہت بڑے وقت کے رد عمل کو اپنی علیحدگی سے ضائع کر دیا۔

آپ آکر "الہلال" بالکل لے لیجیئے۔ جس طرح جی چاہے اسے ایڈٹ کیجیئے۔ مجھے سوا اس کے اصول و پالیسی کے (جس میں آپ مجھ سے متفق ہیں) اور کسی بات سے تعلق نہیں۔ میں بالکل آپ پر چھوڑ دیتا ہوں اور خود اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہوں۔ صرف اپنے مضامین تو دے دیا کروں گا اور کچھ تعلق نہ ہوگا۔ عربی کے لئے مولوی عبدالواجد کا وعدہ گریز کے لئے۔ ایک اور شخص آپ کے اسسٹنٹ ہوں گے وہ عَلَنًا و سِرًّا آپ کی ایڈیٹری میں روز اوّل سے ہو گا۔

ایک دقت یہ ہے کہ ہر کام کے لئے مالی شرائط کا اظہار ضروری ہے اور ایسا کیجیئے تو آپ کہتے ہیں۔ کہ طمع دلاتے ہو۔ استغفراللہ۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں۔

کہ بغیر کسی ایسی نیت کے، محض شرائط معاملہ کے طور پر چند امور عرض کرتا ہوں۔

سردست آپ تشریف لے آئیں اور ایک سو تیس روپے منظور فرمائیں۔ تیس کلکتہ کے مصارف اور انتظام کے لئے ہیں۔ اس کے بعد ہر ماہ اس کا اضافہ ہوگا۔ یہاں تک کہ دو سو پورے ہو جائیں۔ پروف کریکشن کے لئے انور علی آگئے ہیں اور اب اس کے لئے کوئی زحمت نہیں، صرف ایڈیٹری کا معاملہ ہے۔ یہ ایک بہتر کام ہے جو الہلال کی گرفتاریوں کی وجہ سے میں شروع نہیں کر سکتا۔ اب اگر اور دیر ہو گئی تو سخت نقصان ہوگا اور اسی لئے میں نے آخری فیصلہ اس کی نسبت کر لیا۔ میں آپ کو پابند نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن اگر آپ خود چاہیں تو جتنی مدت کے لئے کہیں معاہدہ قانونی بھی ہو جا سکتا ہے۔

آپ معاً وہاں استعفا دے دیں اور کلکتہ تشریف لے آئیں اور اس خط کا جواب لاد نعم میں بذریعہ تار دے دیں۔ مجھ کو پوری امید ہے کہ میری یہ سعی بے کار نہ جائے گی کیوں کہ میں سچے دل سے آپ کا طالب ہوں اور یقین رکھتا ہوں کہ صحیح طلب و مودت ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ اگر مولانا شبلی کا خیال ہو کہ ان کے ذریعے سے پونا تشریف لے گئے ہیں، وہ مصر تھے، اب ناراض ہوں گے تو میں خود ان سے اس معاملے کو صاف کر لوں۔ تاہم جو کچھ ہو جلد ہو۔"

لیکن معلوم ہے کہ سید صاحب نے الہلال کی ایڈیٹری کو محض ایک کاروباری معاملہ سمجھا اور کالج کی پروفیسری کو اس پر ترجیح دی۔ لیکن درحقیقت بات اتنی ہی نہ تھی سید صاحب کو الہلال سے بعض شکایات تھیں۔ نامناسب نہ ہوگا کہ ان پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تاکہ مضمون کا یہ پہلو تشنۂ تکمیل نہ رہے۔

۱۔ مولانا آزاد سے سید صاحب کی پہلی ملاقات لکھنؤ میں اواخر ۱۹۰۵ء میں ہوئی تھی جہاں وہ آپس میں بے تکلفانہ اور برابر کی حیثیت سے ملتے تھے لیکن جب وہ آٹھ سال کے بعد کلکتہ میں ان کی دعوت پر الہلال کے اسٹاف میں شمولیت کے لئے گئے تو دونوں کی حیثیتوں میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ وہ اپنی خواہش کے مطابق تعین وقت کے بغیر مولانا سے ملاقات بھی نہ کر سکتے تھے۔

۲ - سید صاحب مدیر الہلال کے بلند مقام کا حسین تصور لے کر کلکتہ گئے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ الہلال میں سیاہ و سفید کے مالک اور اسٹاف کے حاکم ہوں گے لیکن وہاں ان کے منصب میں ان سے سینیر ارکان شریک تھے۔

۳ - ان کے تصور میں مدیر کا کام صرف یہ تھا کہ وقت کے حالات و مسائل پر، نیز علمی موضوعات پر شذرات و مقالات لکھ کر دے ـــــ اور کام ختم ہوا لیکن وہاں انہیں بہ اکراہ پروف ریڈنگ بھی کرنی پڑتی تھی۔ حالانکہ یہ صرف وقتی بات تھی۔

۴ - سید صاحب اپنی علمی صلاحیتوں کی بدولت اس وقت تک ایک خاص حلقے کی توجہ کا مرکز ضرور بن گئے تھے اور علمی مقالات لکھنے کے لئے انہیں کسی رہنمائی کی ضرورت نہ تھی لیکن ان کی اخباری زندگی کا یہ بالکل آغاز اور پہلا تجربہ تھا اور خاص اخباری نقطۂ نظر سے ان کی تحریریں اصلاح و ترمیم کے بغیر نہ چھپ سکتی تھیں۔ سید صاحب کو اس بات کا احساس نہ تھا۔

۵ - بعض اوقات انہیں الہلال کے لئے کتابوں سے نقل و اقتباس، مواد کی فراہمی اور ترجمہ کا کام بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس بات کو بھی وہ اپنے بلند مقام سے فروتر سمجھتے تھے۔

۶ - عام اخبارات کی روایت کے مطابق مختلف اخبارات کے ترجمے، شذرات نویسی، افتتاحیہ نویسی اور تربیت و تالیف کے دیگر کاموں میں اسٹاف کے ارکان کا نام نہ آتا تھا۔ سید صاحب کو یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ وہ الہلال کے ادارے میں گم ہو کر رہ جائیں۔

۷ - سید صاحب کا ایک مقالہ افتتاحیہ "شہید اکبر" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس وقت کے حالات میں وہ بہت پسند کیا گیا، اس کی خوب شہرت ہوئی۔ لیکن یہ شہرت صرف الہلال کے ایک مقالے کی تھی۔ چونکہ مقالے پر سید صاحب کا نام نہ چھپا تھا اس لئے اس شہرت میں سید صاحب کا نام نہ تھا۔ سید صاحب اس احساس سے قلب کو محفوظ نہ رکھ سکے۔

۸ - ٹھیک اسی زمانے میں بعض انگریزی الفاظ کے عام اور اصطلاحی ترجمے کے

بارے میں مولانا عبدالماجد دریابادی اور مولانا آزاد میں نزاع کی صورت پیدا ہوگئی۔ سید صاحب اس بحث میں مولانا دریابادی کے ہم خیال تھے اور پسند نہ کرتے تھے۔ کہ بحث ایک خاص انداز اختیار کرے لیکن اخبار کی پالیسی اور کسی مضمون یا مراسلے کی اشاعت یا عدم اشاعت کے فیصلے کا انہیں اختیار نہ تھا۔ وہ اس معاملے میں اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کرتے تھے۔

۹ - الہلال میں سید صاحب کو جو امور انجام دینا پڑتے تھے، اس کے بعد علم و تحقیق کے کاموں کے لئے وقت نہ بچتا تھا۔ چنانچہ سید صاحب نے جو تین چار پانچ مہینے الہلال میں گذارے ان میں وہ بہت کم علمی کام کر سکے اور ایک دو مضمون ہی ان کے نام سے نکل سکے۔

۱۰ - انہی دنوں علامہ شبلی مرحوم کی کوششوں سے انہیں پونا کالج میں عربی فارسی کی اسسٹنٹ پروفیسری پیش کی گئی۔ ان شکایات کی موجودگی میں کالج کی ملازمت کی پیش کش نے انہیں خاص طور پر متاثر کیا اور انہوں نے الہلال کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن ان تمام شکایات میں بنیادی وجہ یہ احساس تھا کہ ادارت اور مولانا آزاد کی معاونت کا منصب ان کے مقام جلیل و رفیع سے فروتر تھا اور وہ اسے زیادہ دنوں تک گوارا نہ کر سکتے تھے۔ مرحوم کے اس مزاج نے انہیں زندگی بھر پریشان کیا اور کسی جگہ بھی وہ ٹک کر اور دل جمعی کے ساتھ کام نہ کر سکے۔ الہلال میں خدمات، پونا کالج کی ملازمت، دارالمصنفین میں کاروان علوم و معارف اور قافلہ تصنیف و تحقیق کی رہنمائی، بھوپال میں قاضی القضاۃ کا منصب اور سرکاری دارالعلوم کی سربراہی اور آخر میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی جگہ منصب شیخ الاسلامی کے لئے پاکستان کے سفر اور دستور سازی میں مشورہ و رہنمائی سے ان کا عدم اطمینان اور بے چینی کے پس منظر میں سید صاحب کے اسی مزاج کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ انہیں یہ احساس زندگی بھر رہا کہ ان کے علم و فضل کے مطابق زمانے نے ان کی قدر نہیں کی اور انہیں ہر دور میں ان کے مقام سے فروتر کاموں کے لئے دوسرے ہاتھوں کے سپرد کیا جاتا رہا۔ پاکستان میں تو گویا جان بوجھ کر ان کی ناقدری کی گئی۔ ان کا مقام اس سے بہت بلند تھا کہ وہ پاکستان

ہیں دستور سازی اور اسلامی فکر کی رہنمائی میں محض ایک مشیر کا کردار ادا کریں ادا۔
ان کے مشوروں کے ترک و اختیار کا فیصلہ نواب زادہ صاحب کریں - یہ اس عہد کا بہت
بڑا المیہ تھا جو سلطنت علوم و معارف اسلامیہ کے سلیمان اعظم کے ساتھ پیش آیا -

جیسا کہ عرض کیا کہ اخبارات و رسائل کی روایت کے مطابق الہلال کے شذرات یا مقالات افتتاحیہ پر بھی لکھنے والوں کے اور اقتباسات و تراجم پر مقتبس و مترجم کے نام نہیں آتے تھے - اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ الہلال میں کتنے شذرے اور کتنے ادارے، کتنے ترجمے اور اقتباسات سید صاحب علیہ الرحمہ کے قلم اور ان کے فکر و نظر کے شاہکار ہیں - لیکن جو مقالات سید صاحب کے قلم سے نکلے اور جن پر ان کا نام بھی ہے یا جن کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے کہ وہ سید صاحب کے ہیں۔ اور ان کے بارے میں اب کوئی اختلاف باقی نہیں - ان کی فہرست درج ذیل ہے

مقالہ افتتاحیہ: شہید اکبر الہلال کلکتہ ، ۱۳-اگست ۱۹۱۳ء ص ۴
مقالات: عربی زبان اور علمی اصطلاحات 〃 〃 ۲۷ 〃 〃 〃 ۱۱
〃 〃 (۲) 〃 〃 ۳ ستمبر 〃 〃 ۷
علوم القرآن 〃 〃 ۱۱ فروری ۱۹۱۴ء ۷
〃 〃 (۲) 〃 〃 ۱۸ 〃 〃 〃 ۱۷
〃 〃 (۳) 〃 〃 ۲۵ 〃 〃 〃 ۹
〃 〃 (۴) 〃 〃 ۸ جولائی 〃 〃 ۹
باب التفسیر: اساطیر الاولین 〃 〃 ۱۵/۱۴ اپریل 〃 ۱۰

سید صاحب کا ایک مضمون بیجا پور کی تاریخ و رثا کے موضوع پر تھا - اس کے بارے میں مولانا آزاد لکھتے ہیں :

"بیجا پور والے مضمون کا اس قدر تشکر کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں - با تصویر رسالے کی یہ اصل شے تھی جو آپ کی بدولت الہلال میں شروع ہو گئی - جنگ کی وجہ سے وہ اب تک شروع نہ ہو سکا ورنہ بلاک بن گئے ہیں - آئندہ ان کے بعد والے نمبر میں ان شاء اللہ شائع ہو گا - مگر اس کے بعد کا کوئی حصہ دیجیے تاکہ تسلسل قائم رہے -

علم الحدیث کے مضامین تو الہلال میں نکل چکے ہیں اور آپ کس کی نسبت فرماتے ہیں ؟ علوم القرآن میں اور کچھ ملا "

اگرچہ یہ مضمون سید صاحب نے ۱۹۱۴ء میں بھیج دیا تھا لیکن نومبر ۱۹۱۴ء میں الہلال بند ہو گیا اور مضمون اشاعت سے رہ گیا اور کامل ایک سال کے بعد جب البلاغ جاری ہوا تو اس کی دو اشاعتوں میں نکلا -

آثار عتیقہ : آثار اسلامیہ امارت بیجاپور — البلاغ کلکتہ - ۱۲ - نومبر ۱۹۱۵ء ص ۱۲

" " (۲) " " ۲۶ - " " ص ۲۸

البلاغ میں سید صاحب کے دو مضمون اور بھی شائع ہوئے ہیں - ان میں سے ایک مضمون "اسلام اور سوشلزم" کے عنوان سے ہے - اگرچہ یہ نہایت مفصل اور مستقل مضمون ہے لیکن مراسلات کے صفحے پر شائع ہوا ہے - دوسرا مضمون جامع ازہر (مصر) پر ہے جس میں اسکی تاریخ قیام، نظام و نصاب تعلیم اور اس کے خصائص کا تعارف کرایا ہے -

مراسلات : اسلام اور سوشلزم — البلاغ، کلکتہ - ۱۱ - فروری ۱۹۱۶ء ص ۲

اصلاح معاشرہ اور اسلام - بسلسلہ اسلام اور سوشلزم — " " ۱۸ - " " ص ۱۷

مدارس اسلامیہ : جامع ازہر — " " ۳ - ۱۰ مارچ " " ۲۵

" (۲) — " " ۱۷ / ۲۴ — ۲۳

ان مضامین کے علاوہ چند مضامین ایسے ہیں جن کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سید صاحب کے ہیں لیکن یہ مسئلہ ابھی متنازع فیہ ہے اس لئے مناسب نہیں کہ اس بحث کو یہاں چھیڑا جائے -

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافہ اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں ان کا احترام آپ پر فرض ہے - لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقہ کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں ـــــ !

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

نام ونسب نام عبداللہ اور کنیت ابو عبد الرحمٰن[1] تھی۔ آپ ترکی النسل تھے۔ آپ کے والد مبارک بن واضح بنو تمیم کے ایک قبیلہ بنو حنظلہ کے ایک فرد کے آزاد کردہ غلام[2] تھے۔ اس وجہ سے آپ کو حنظلی اور تمیمی کی نسبت سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ آپ ہمدان کے نامور تجار میں سے تھے۔ اس نسبت کی ایک دوسری وجہ بھی بیان ہو سکتی ہے کہ آپ کے مالک نے آپ کی دیانتداری کی وجہ سے اپنی بیٹی کو نکاح میں دے دیا تھا۔

یہ واقعہ تذکروں میں آیا ہے کہ آپ کے مالک نے آپ سے اپنی بیٹی کی شادی کے بارے مشورہ کیا تو آپ نے کہا کہ جاہلیت کے دور میں عرب اپنی بیٹیوں کے رشتے حسب ونسب کی بنیاد پر کرتے تھے۔ یہودیوں میں مال اور نصاریٰ میں خوب صورتی وجہ عقد بنتے تھے۔ لیکن اسلام میں دینداری کی وجہ امتیاز پر رشتے ہوتے ہیں آپ ان میں سے جس طریقہ کو پسند کریں اُسی کی بنا پر اپنی دختر عزیزہ کی شادی کا انتظام کر دیں۔

مالک کو آپ کی عقل رسا پر بڑا تعجب ہوا۔ گھر آکر بیٹی کی ماں سے مشورہ بیان کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ بیٹی کی شادی مبارک سے کر دیں اس لیے کہ اس میں ورع، تقویٰ اور دینداری کی جو خوبیاں ہیں، وہ زمانہ کے کسی دوسرے فرد میں نظر نہیں آتیں۔ اگرچہ مبارک غلام تھے لیکن ماں بھی نیک دل تھیں۔ فوراً تیار ہو گئیں اور اپنی بیٹی کی شادی مبارک سے کر دی۔ حضرت عبداللہ کا اسی نیک رُوح والد اور نیک دل ماں کی بیٹی کی

---

[1] ابن سعد : طبقات الکبریٰ : ۷ : ۳۷۲ : مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ

[2] خطیب بغدادی : تاریخ بغداد : ۱۰ : ۱۵۳ : مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ

گود میں تولد[۳] ہُوا۔ چونکہ یہ مالک بنو تمیم اور بنو حنظلہ کے فرد تھے اس لیے آپ کو ننھیال کی نسبت سے بھی تمیمی اور حنظلی کی کنیت سے پکارا گیا۔

حضرت مبارک بن واضح کی پرہیز گاری اور ایمانداری کی یہ خوبیاں آپ کے مالک پر ابتدائی ایام ہی سے ظاہر ہونا شروع ہو گئیں۔ روایت ہے کہ آپ اپنے مالک کی طرف سے ایک باغ کے داروغہ تھے۔ ایک دن مالک نے کھانے کے لیے انار توڑ لانے کو کہا۔ آپ انار توڑ لائے اور مالک کے حضور پیش کر دیئے۔ مالک نے ایک انار چکھا تو انار ترش نکلا۔ مالک بڑا ناراض ہُوا اور آپ سے کہنے لگا کہ میں نے میٹھا انار مانگا تھا۔ آپ ترش کیوں لائے؟ حضرت مبارک نے مالک سے عرض کیا کہ حضور باغ کے درختوں کے بارے میں بندہ کو اس قدر تجربہ نہیں کہ کونسا درخت میٹھے انار دیتا ہے اور کونسا ترش۔ جو کوئی انار کو چکھے گا اُسے ہی اس بات کا علم ہو سکے گا۔ نیز آپ نے مجھے رکھوالی کے لیے حکم دیا تھا انار چکھنے کی تو اجازت نہیں دی تھی۔

آپ کی اِس طرح کی دیانتداری کے واقعات نے مالک کو بہت متاثر کیا۔ جس کی وجہ سے اس نے پہلے آپ کو اپنا خصوصی ساتھی بنایا اور پھر اپنی نیک بخت بیٹی اور اس کے ساتھ ایک کثیر التعداد مالیت میں مال آپ کے سپرد کر دیا[۴]۔

تمام تذکرہ نگاروں نے آپ کی والدہ کو خوارزمی لکھا ہے جو کہ خوارزم کی طرف منسوب ہے۔ خوارزم روسی ترکستان کا وہ علاقہ ہے جو کہ دریائے جیحون کے نیچے پڑتا ہے۔ یہاں کا بادشاہ "خوارزمشاہ" کا لقب اختیار کرتا تھا[۵]۔ ابن جوزی نے لکھا ہے:

> کان ابوہ ترکیا عند رجل من التجار من بنی حنظلۃ وکانت امہ ترکیہ وخوارزمیہ[۶]

آپ کے والد ترکی تھے جو کہ بنو حنظلہ کے تجار میں سے کسی ایک کا غلام

---

[۳] صدیق حسن خان : اتحاف النبلاء : ۲۷۱، ۲۷۲ : مطبوعہ کانپور (ہند) ۱۲۸۹ھ

[۴] ابن خلکان : وفیات الاعیان (نسخہ سمرقند) : ۱ : ۲۶۹ : مطبوعہ دار الطباعۃ اصفہان

[۵] المنجد، فی اللغۃ و الاعلام : حصہ "الاعلام" : ۲۷۴ : مطبوعہ بیروت ۱۹۷۳ء

[۶] ابن جوزی : صفۃ الصفوۃ : ۴ : ۱۰۹ : مطبوعہ دائرہ معارف عثمانیہ

تھے اور آپ کی والدہ ترکیہ، خوارزمیہ تھیں۔
ہدیۃ العارفین میں آپ کے والد کو بھی ترکی خوارزمی کہا گیا ہے۔
"عبداللہ بن المبارک بن واضح حنظلی ابو عبدالرحمٰن المروزی ترکی الاب لخوارزمی"[۷]
بروکلمان نے لکھا ہے کہ "آپ کے آباؤ اجداد ترکی النسل ایرانی تھے"[۸]
طاش کبریٰ زادہ لکھتے ہیں:
"کانت امہ خوارزمیۃ و ابوہ ترکیا"[۹]
آپ کی والدہ خوارزمی اور باپ ترکی النسل تھے۔
راقم کے نزدیک آپ کی والدہ کے متعلق خوارزمی کی نسبت بعد کی مشہور کردہ ہے۔ جب آپ کے والد کے ساتھ وہ بیاہی جانے کے بعد مستقل طور پر ترکستان کے اس علاقہ میں جہاں مرو کا وہ شہر بھی پڑتا ہے جس کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن مبارک مروزی کہلائے، رہنے لگیں تو اس علاقے کی نسبت سے تذکروں میں متعارف ہوئیں۔ حالانکہ آپ قریش کے قبیلے بنو تمیم کے ذیلی قبیلے بنو حنظلہ یا دوسری روایات کے مطابق بنو سعد یا بنو عبد شمس[۱۰] سے تھیں۔ زیادہ تر تذکرہ نگاروں نے بنو حنظلہ اور بنو تمیم کا ذکر کیا ہے اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن مبارک حنظلی اور تمیمی کی کنیت سے مشہور رہے تھے۔ درست یہی نظر آتا ہے کہ آپ کی والدہ عرب کے قبیلہ سے تھیں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک عربی زبان کی فصاحت و بلاغت میں اہل عرب سے کچھ پیچھے نہ تھے۔ باپ کو تمام تذکروں میں ترکی النسل کہا گیا ہے۔ اس طرح والدہ کے عربی النسل اور باپ کے ترکی النسل ہونے کی وجہ سے آپ عرب و عجم کے کمالات کے وارث بنے۔
اہل تذکرہ نے اس کے علاوہ خراسانی، بخاری اور جوہری کی نسبتوں سے بھی اپنے تذکروں میں یاد کیا ہے۔

---

۷ اسماعیل پاشا بغدادی: ہدیۃ العارفین: ۱: ۴۳۸: مطبوعہ استنبول ۱۹۵۱ء
۸ بروکلمان: تاریخ ادب عربی (جرمن): تکملہ جلد اوّل: ص ۲۵۶ مطبوعہ ۱۹۳۷ء
۹ طاش کبریٰ زادہ: مفتاح السعادہ: ۲: ۱۱۲: مطبوعہ حیدر آباد دکن (ہند)
۱۰ طاش کبریٰ زادہ: مفتاح السعادہ: ۲: ۱۱۲: مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدر آباد دکن

ولادت

آپ ۱۱۸ھ مطابق ۷۳۶ء بمقام خراسان کے مشہور شہر مرو میں پیدا ہوئے[۱۱]۔ تذکرہ نگاروں کی ایک کثیر تعداد نے اسی کو قبول کیا ہے۔ بعض کے ہاں سالِ ولادت کا جو اختلاف ملتا ہے، ان کی روایات کو خطیب بغدادی نے سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ پہلی روایت عمرو بن علی سے ہے کہ آپ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے۔ دوسری روایت میں حاتم الباشانی کہتے ہیں کہ میں نے عبدان بن عثمان سے سُنا ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن مبارک کو یہ کہتے سُنا ہے کہ وہ ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے۔ بشر بن ابی الازہر سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن المبارک سے سُنا کہ عبداللہ بن ادریس نے انہیں کہا کہ تمہاری عمر کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ عجم کے ہاں عمر یاد کرنے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا جاتا۔ لیکن انہیں اتنا یاد ہے کہ جب ابومسلم خراسانی نے خروج کیا تو انہیں بھی سیاہ کپڑے پہنائے گئے۔ حالانکہ میں بہت چھوٹی عمر کا تھا۔ فرماتے ہیں کہ اس پر پھر انہیں کہا گیا کہ کیا سیاہ لباس پہنایا گیا؟ تو انہوں نے کہا کہ میں اس سے بھی زیادہ چھوٹا تھا لیکن ابومسلم نے ہر چھوٹے بڑے کو سیاہ لباس پہنوایا۔[۱۲]

مندرجہ بالا روایات پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عمرو بن علی کی روایت جس کو اکثر تذکرہ نگاروں نے تسلیم کیا ہے زیادہ قابل استشہاد ہے۔ کہ حضرت عبداللہ بن مبارک کا قول کہ عجم میں تاریخ پیدائش کے محفوظ کرنے کا کوئی رواج نہیں[۱۳] آپ کے دوسرے قول مذکورہ کی صحت کو مشکوک کر دیتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے کم سنی کی عمر میں ابومسلم خراسانی کے دور میں جو سیاہ کپڑے پہننے کا اقرار کیا ہے اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ کو عمر یاد نہیں تھی۔ محمد بن موسیٰ بن حاتم الباشانی کی عبدان بن عثمان سے مروی قول کہ آپ ۱۱۹ھ میں پیدا ہوئے تھے اس وجہ سے بھی باطل ہو جاتا ہے[۱۴] کہ ۱۳۰ھ

---

[۱۱] فقیر محمد جہلمی : حدائق الحنفیہ : ۱۲۰ : مطبوعہ نول کشور لکھنؤ (ہند) ۱۳۲۴ھ

[۱۲] خطیب بغدادی : تاریخ بغداد : ۱۰ : ۱۵۴ : مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ

[۱۳] خطیب بغدادی : تاریخ بغداد : ۱۰ : ۱۵۴ : مطبوعہ مصر ۱۳۴۹ھ

میں ابو مسلم خراسانی نے خروج کیا اور سیاہ جوش تحریک شروع کی۔ آپ کی اس دوران عمر صرف اتنی تھی کہ آپ کو لباس پہننے کا واقعہ یاد ہوگیا۔ اس طرح کی یادداشت ۲ برس کی عمر میں شروع ہوجاتی ہے۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ عمرو بن علی کی روایت کہ آپ ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے درست ہوگئی۔ وہ روایتیں جن میں آپ کا سال ولادت ۱۱۰ھ، ۱۱۳ھ اور ۱۳۰ھ بتایا گیا ہے عقلاً و نقلاً کسی طرح قبول نہیں ہوئیں۔ ۱۱۸ھ کو تذکرہ نویسوں کی اکثر تعداد نے درست مانا ہے۔ راقم کے نزدیک بھی یہی صحیح ہے۔

دَورِ لہو و لعب

آپ نے ایک متموّل تاجر کے گھر آنکھ کھولی۔ جہاں سیم وزر کی ریل پیل تھی۔ والدین فطرتاً نیک اور ایماندار تھے۔ لیکن اکلوتے بیٹے کی تربیت میں کامیاب نہ رہے۔ بیٹے کی ہر خواہش پر دولت نچھاور کی جاتی۔ نتیجتاً آوارہ مزاج اور بدقماش لونڈوں نے اس متموّل بیٹے کی دولت سے عیش و نشاط حاصل کرنے کے لیے گھیرا ڈالنا شروع کر دیا۔ بیٹا سادہ لوح تھا اور ساتھ ساتھ دولت کے انبوہ کثیر سے ملنے والی نفسانی خواہشات کی لذت نے عقل و خرد کی آنکھ پر پٹی باندھ دی تھی۔ معاشقے شروع ہوئے۔ ساغر و جم کے دور چلتے اور لطف و سرور کی محفلیں جمتیں۔ اسی طرح ہوتے ہوتے زندگی کے گراں قدر بیس اکیس سال گزر گئے۔ آخر والدین کی دعائیں مستجاب ہوئیں۔ شیطانی کارستانیوں پر رحمانی قوت غالب آئی — اور ایک روز ایسا انقلاب آیا کہ تھوڑی دیر پہلے کا فریبِ نظر کا شکار عاشق اپنے مجازی محبوب کو ٹھکرا کر اپنے محبوبِ حقیقی کے در پر جا پہنچا۔

خوش نصیب ساعتیں

پائیں باغ کا پُرکیف ماحول تھا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ، پتوں کی کھڑکھڑاہٹ اور نرم نرم چلتی بادِ نسیم نے باغ کے ماحول میں پیار و محبت کا نشہ گھول رکھا تھا۔ بادہ خواروں کی محفل جمی تھی۔ شراب کے جام لنڈھائے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ ساز کی آواز شراب کی مستی میں قرشی لا رہی تھی۔ اس محفل کا سردار وہ عاشقِ زار تھا جس کی عیش و نشاط کی پُرفریب وادی کی سیر کی مدت اب ختم ہو رہی تھی۔ یہ عاشق نامراد عبداللہ بن مبارک شراب کی مستی میں اپنے محبوب کی یاد میں یہ نغمہ الاپ رہا تھا۔

الم یان لی منک ان تترحما — وتعصی لعواذل واللوما!
وتنزلی بصیب مغرم — اقام علی هجرکم ماثما
یبیت اذا جنة لیلة — یراعی الکواکب والانجما
ماذا علی الصب لوانہ — اصل من الوصل ما ہوما

سرِشام یہ شعر پڑھتے پڑھتے شراب کی مستی میں سو گئے۔ رات ساری اسی مدہوشی میں گزری۔ یہاں تک کہ صبح کی اذان ہوئی اور آپ کو خواب کی صورت میں محبوبِ حقیقی نے مجازی محبوب کے وصال کی اس شدتِ خواہش پر طعنہ دیتے ہوئے ایک پرندے کی زبان یہ آیت سنوائی۔

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُہُمْ لِذِکْرِ اللّٰہِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۔

(کیا ان لوگوں، جو ایمان لائے ہیں، پر اس قدر بھی رقت طاری نہیں ہوا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر اور جو اس کی طرف سے نازل ہوا ہے، سے ڈریں)

یہ سننا تھا کہ آپ کی کائنات بدل گئی اور اسی وقت لبّیک کہتے ہوئے سرور وغنا کے تمام طرب اور جملہ شیشہ ہائے مے توڑ دیئے ——— جامہ ہائے ریشم وکمخواب تار تار کر کے پھٹے پرانے سادہ کپڑوں کو زیب تن کر کے عبادت میں مشغول ہو گئے[۱۴] پھر وہ وقت آیا کہ آپ کی والدہ دیکھتی ہیں کہ باغ میں آپ سو رہے ہیں اور ایک سانپ نرگس کی شاخ منہ میں پکڑے آپ سے مکھیاں دور کر رہا ہے[۱۵]

اکتسابِ علم

ہوش سنبھلتے ہی والد ماجد نے مروج ابتدائی تعلیم میں لگا دیا یہ ابتدائی تعلیم آپ نے ایک تاجر سے حاصل کی[۱۶]۔ لکھنا پڑھنا اچھی طرح جب سیکھ لیا اور جوانی میں قدم رکھا تو مال کی بے بہا موجودگی میں اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے اور تعیشات میں پڑ گئے۔ بیس اکیس سال کی عمر تک تعیشات میں گم رہے۔ آخر وہ ایک دن آیا جب نظر کا فریب ٹوٹا اور تعیشات

۱۴ے کردری : مناقب الامام الاعظم : ۱ : ۱۶۸ : مطبوعہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۱ھ
۱۵ے نقیر محمد جہلمی : حدائق الحنفیہ : ۱۲۰ : مطبوعہ نول کشور کانپور لکھنؤ (ہند) ۱۳۲۴ھ
۱۶ے ذہبی : العبر : ۱ : ۲۸۰ : مطبوعہ کویت ۱۹۶۰ء

سے تائب ہو کر عبادت و ریاضت کو اختیار کر لیا۔ آپ کی اس اچانک تبدیلی پر والدین کو بہت خوشی ہوئی۔ ذمہ داریوں کا احساس اُجاگر ہوتا دیکھ کر والد ماجد نے تجارت کے لیے پچاس ہزار درہم دیئے۔ آپ پر چونکہ دینداری کا غلبہ تھا۔ اس لیے دینی علوم سے آگاہی کے شوق میں تمام رقم سے دینی علوم پر مبنی مختلف کتابیں خرید کر گھر آ گئے۔ والد نے منافع پوچھا تو سارا دفترِ علم سامنے رکھتے ہوئے بولے کہ یہ جنس لایا ہوں اور دو جہاں کا منافع اُٹھایا ہے۔ والد اس جذبہ اور شوق پر بہت خوش ہوئے اور مزید چھ ہزار درہم دیتے ہوئے کہا کہ اسے خرچ کر کے اپنی تجارت کا دھندا چلاؤ[۱۷] اس حوصلہ افزائی سے کتابیں خریدنے اور پڑھنے کا شوق اور تیز ہُوا۔ کتابیں جمع کرتے رہے یہاں تک کہ ایک بہت بڑا کتب خانہ بن گیا۔ آپ رات دن اسی کتب خانہ میں کتابیں پڑھتے رہتے۔

سعید بن عیسٰے فرماتے ہیں کہ مَیں نے ابو داؤد کو یہ کہتے سُنا کہ مَیں نے ابنِ مبارک سے پوچھا کہ خراسان میں آپ کی مجالس کس کس کے ساتھ رہیں۔ آپ فرمانے لگے کہ مَیں شُعبہ اور سُفیان کی مجالس سے مستفید ہُوا ہوں۔ ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ان مجالس سے مراد یہ تھا کہ آپ نے ان کی کتابوں کو پڑھا[۱۸]۔ اسی آپ نے صحابہ کرامؓ کی کتب سے استفادہ کیا۔

شفیق بن ابراہیم بلخی فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارکؒ سے کہا گیا کہ آپ ہمارے ساتھ نماز تو پڑھتے ہیں لیکن بیٹھتے نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں صحابہ کرامؓ اور تابعین کی جماعت کے پاس چلا جاتا ہوں۔ لوگوں نے متحیر ہو کر پوچھا وہ کیسے؟ فرمانے لگے کہ مَیں یہاں سے جا کر ان کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں اور اپنے حالات کو سامنے رکھ کر ان کے اعمال و آثار پر غور کرتا ہوں[۱۹]

مطالعہ میں شدت آئی تو ایک دن والد ماجد بہت برافروختہ ہوئے اور غصے میں کہنے لگے کہ یہ تمہاری کتابیں مجھے جلانی پڑیں گی۔ آپ نے کہا ابو جان! یہ کتابیں ضرور

---

[۱۷] فقیر محمد جہلمی : حدائق الحنفیہ : ۱۴۳ : مطبوعہ نول کشور لکھنؤ (ہند) ۱۳۲۴ھ

[۱۸] ابو نعیم اصفہانی : حلیۃ الاولیاء : ۸ : ۱۶۴ : مطبوعہ مصر ۱۳۵۴ھ

[۱۹] ابنِ جوزی : الصفوہ : ۴ : ۱۰۹ : مطبوعہ دائرہ معارف اسلامیہ حیدرآباد دکن ۱۳۵۶ھ

جل سکتی ہیں لیکن جو سینے میں محفوظ ہے اس کا آپ کیا کریں گے ۔[۱۹]

کتابوں سے مستفیض ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے ۱۴۱ھ میں باقاعدہ طور پر تابعین کی مجالس اور محافلِ تدریس میں شرکت کرنا شروع کر دی۔ آپ نے ان کے علوم سے جس شدت اور جستجو کے ساتھ استفادہ کیا، اس کے بارے میں احمد بن حنبل رح فرماتے ہیں کہ :

"لم یکن فی زمن ابن المبارک اطلب للعلم منه، رحل الی الیمن و مصر و الشام و البصرۃ والکوفه وکان من رواۃ العلم و اهل ذٰلک کتب عن الصغار والکبار وجمع امراً عظیماً کان صاحب حدیث حافظاً۔" [۲۱]

(یعنی حضرت عبداللہ بن مبارک کے زمانے میں ان سے زیادہ کوئی علم کا متلاشی نہیں تھا۔ آپ نے یمن، مصر، شام، بصرہ، کوفہ کے سفر کیئے۔ آپ علم کے راویوں میں سے ایک تھے۔ جسے آپ نے ہر چھوٹے بڑے سے حاصل کیا اور اس طرح ایک بہت بڑا کام سرانجام دیا۔ آپ ایک صاحبِ حدیث حافظ تھے۔)

ابنِ تغری لکھتے ہیں :

"رحل سنة احدیٰ واربعین ومأته فلقی التابعین واکثر الترحال فی طلب العلم وروی عن جماعة کثیرة وروی عنه خلائق و تفقه بابی حنیفه" [۲۲]

(آپ نے ۱۴۱ھ میں سفر شروع کیئے اور تابعین سے ملے۔ آپ کے اکثر سفر طلبِ علم کے لیئے تھے۔ آپ نے ایک کثیر جماعت سے

---

[۲۰] ذہبی : تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۲۵۴ : مطبوعہ دائرہ معارف نظامیہ حیدرآباد دکن

[۲۱] نووی : تہذیب الاسماء واللغات : ۱ : ۲۸۵ مطبوعہ دمشق

[۲۲] ابن تغری : نجوم الزاہرہ : ۲ : ۱۰۳ مطبوعہ مصر

روایت کی اور آپ سے بھی لوگوں کی اکثر تعداد نے روایت کی۔ امام ابوحنیفہؒ سے فقہ سیکھی)

ابنِ سعد رقم طراز ہیں:

"طلب العلم فروی روایۃ کثیرۃ وصنف کتبا کثیرۃ فی ابواب العلم وصنوف حملها عنه قوم وکتبها الناس عنهم۔ وقال الشعر فی الزهد والحث علی الجهاد۔ وقدم العراق والحجاز والشام ومصر والیمن وسمع علماء کثیرا۔" [۲۳]

(یعنی آپ نے اکتسابِ علم کر کے کثیر تعداد میں روایت کیا اور علم کی مختلف صنف اور ابواب پر کافی تعداد میں کتابیں لکھیں۔ جسے آپ سے کئی لوگوں نے اخذ کیا اور ان سے آگے کئی لوگوں نے لکھا۔ آپ نے زہد پر شعر کہے۔ اور جہاد کے لیے اُبھارا۔ آپ عراق، حجاز، شام، مصر اور یمن آئے اور علماء کی کثیر تعداد سے (علمِ حدیث سُنا)"

اساتذہ آپ نے قرآن، حدیث، فقہ، ادب، لُغت، تصوف اور جہاد پر علم کا ایک گراں قدر ذخیرہ آپ کے اپنے قول کے مطابق چار ہزار مشائخ سے حاصل کیا۔ صرف ایک ہزار سے روایت کی [۲۴] آپ کے شیوخ میں سے بعض مندرجہ ذیل تھے:۔

تابعین

(۱) ربیع بن انس بن زیاد البکری، البصری الخراسانی متوفی ۱۳۹/۱۴۰ھ [۲۵]

(۲) مجالد بن سعید بن عمر بن البطام الہمدانی ابو عمرو۔ جنہیں ابوسعید الکوفی بھی

---

[۲۳] ابن سعد: طبقات الکبریٰ: ۷: ۲۷۲: مطبوعہ بیروت ۱۳۲۴ھ

[۲۴] نقیر محمد جہلمی: حدائق الحنفیہ: ۱۲۱: مطبوعہ نول کشور لکھنؤ (ہند) ۱۳۲۴ھ

[۲۵] ابن سعد: طبقات الکبریٰ: ۷: ۳۶۹

کہتے ہیں۔ آپ نے ۱۴۴ھ میں وفات پائی۔ [۲۶]

(۳) اسماعیل بن ابی خالد ابو عبداللہ الاحمسی، البجلی، الکوفی المتوفی ۱۴۶/۴۵ھ [۲۷]

(۴) سلیمان بن مہران الاعمش، الاسدی، الکاہلی، ابو محمد الکوفی المتوفی ۱۴۵ھ [۲۸]

(۵) نعمان بن ثابت التمیمی ابو حنیفہ الکوفی المتوفی ۱۵۰ھ / ۱۵۱ھ [۲۹]

(۶) عاصم بن سلیمان الاحول ابو عبدالرحمٰن البصری۔ آپ بنو تمیم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور آپ نے ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ بعض کے ہاں آپ کا وصال وفات ۱۴۲ھ یا ۱۴۳ھ ہے۔ [۳۰]

(۷) سلیمان بن طرخان التیمی ابو المعتمر البصری المتوفی بالبصرہ ۱۴۳ھ [۳۱]

(۸) زبان بن العلا بن عمار ابو عمرو المازنی التمیمی البصری۔ آپ سات مشہور قرأ میں سے ایک تھے۔ آپ نے ۱۵۴ھ میں یا اس کے بعد وفات پائی۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ نے آپ سے قرأت سیکھی۔ بعض لوگوں نے آپ کو تبع تابعی شمار کیا ہے [۳۲]

(۹) سعد بن سعید بن قیس بن عمرو الانصاری المدنی جنہوں نے ۱۴۱ھ میں وفات پائی۔ [۳۳]

(۱۰) موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش الاسدی جو کہ آل زبیر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے ۱۴۱ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ [۳۴]

(۱۱) ہشام بن عمروہ بن زبیر بن عوام اسدی۔ آپ کی کنیت ابو المنذر اور ابو عبداللہ المدنی تھی۔ آپ نے ۱۴۵ھ یا ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔ [۳۵]

---

۲۶ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۱۰: ۳۹۔

۲۷ ابن حجر: 〃 〃 : ۱: ۲۹۱۔

۲۸ 〃 : تہذیب التہذیب: ۴: ۲۲۲۔

۲۹ 〃 : 〃 : ۱۰: ۴۴۹ ۳۰ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۵: ۴۲۔

۳۱ 〃 : 〃 : ۴: ۲۱۰۔

۳۲ الجزری: غایۃ النہایہ فی طبقات القرأ: ۱: ۲۲۸: ۴۴۶

۳۳ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۳: ۴۷۵ ۳۴ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۱۰: ۳۶۵

۳۵ 〃 〃 : ۱۱: ۴۸

(۱۲) عبداللہ بن سعید بن ابی ہند الفزاری ابوبکر المدنی جنہوں نے ۱۴۶ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ [۳۶]

(۱۳) ابراہیم بن ابی عبلہ شمر بن یقظان بن عبداللہ ابو اسماعیل عقیلی۔ آپ کو ابو سعید رملی اور دمشقی کی نسبت سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ آپ نے ۱۵۱ھ یا ۱۵۲ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ [۳۷]

(۱۴) عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم ابوایوب۔ آپ ابوخالد کی کنیت سے بھی مشہور تھے۔ آپ نے ۱۵۶ھ یا ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔ [۳۸]

اساتذہ از خراسان :۔ ا : مرو سے :۔

(۱۵) ابوعاصم یونس بن نافع المروزی۔ آپ نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔ حضرت ابن المبارک نے فرمایا کہ وہ سب سے پہلے ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ [۳۹]

(۱۶) محمد بن میمون ابوحمزہ السکری : آپ خراسان کے شیخ مانے جاتے تھے۔ آپ نے ۱۶۶ھ یا ۱۶۷ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے آپ کی بہت تعریف کی ہے۔ [۴۰]

(۱۷) یعقوب بن القعقاع بن الاعلم ابوالحسن التیمی : آپ مرو کے قاضی تھے [۴۱]

(۱۸) ابوحفص منصور بن النعمان البشکری : آپ پہلے مرو میں رہتے تھے۔ اور بعد میں بخارا میں رہنے لگے۔ [۴۲]

(۱۹) محمد بن یسار ابوعبداللہ الخراسانی، المروزی : آپ اصل میں بصرہ کے تھے۔ [۴۳]

(۲۰) فضیل بن عیاض بن مسعود ابوعلی الیربوعی، التمیمی : آپ زاہد تھے

---

[۳۶] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۵ : ۲۳۹ [۳۷] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱ : ۱۴۲

[۳۸] 〃 〃 : ۶ : ۱۷۳ [۳۹] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۴۴۹

[۴۰] ذہبی : تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۲۳۰ [۴۱] ابن سعد : الطبقات الکبریٰ : ۷ : ۳۷۰

[۴۲] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۳۱۵ [۴۳] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۹ : ۵۳۲

اور حرم پاک میں شب و روز گزارنے کی وجہ سے شیخ الحرم بولے جاتے ہیں آپ پہلے کوفہ میں رہتے تھے اور بعد میں مکہ میں منتقل ہو گئے اور یہاں پر ہی ۱۸۷ھ میں وفات پائی۔ [۴۴]

(۲۱) حسن بن یحییٰ البصری : آپ خراسان کے رہنے والے تھے۔ خلیفہ بن خیاط نے آپ کا شمار اہلِ خراسان میں تیسرے طبقہ کے احباب میں کیا ہے۔ [۴۵]

(۲۲) محمد بن ثابت العبدی : آپ اصل میں بصرہ کے تھے۔ بعد میں مرو کے قاضی بنا دیے گئے۔ [۴۶]

(۲۳) حمید المروزی الاعرج : ابنِ حبان نے آپ کا شمار ثقات میں کیا ہے۔ [۴۷]

(ب) بلخ :

(۲۴) مقاتل بن حیان ابو بسطام البلخی الخزاز : آپ بکر بن وائل کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ تقریباً ۱۵۰ھ سے قبل وفات پا گئے۔ [۴۸]

(۲۵) عبداللہ بن شوذب ابو عبدالرحمٰن الخراسانی البلخی : آپ پہلے بصرہ میں رہا کرتے تھے اور پھر بیت المقدس چلے گئے۔ آپ نے ۱۴۴ھ یا ۱۵۶ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ [۴۹]

(ج) هراة :-

(۲۶) ابراہیم بن طہمان بن شعبہ الہروی نیساپوری : آپ پہلے بغداد چلے آئے اور پھر مکہ میں رہے۔ یہاں تک کہ ۱۶۳ھ میں وفات پا گئے۔ [۵۰]

(د) دامغان :- [۵۱]

(۲۷) بکیر بن شہاب الدامغانی الحنظلی : آپ بنو حنظلہ کے آزاد کردہ غلام تھے

---

[۴۴] ذہبی: تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۲۴۵ [۴۵] ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۱ : ۳۲۵

[۴۶] ابن سعد: الطبقات الکبریٰ : ۷ : ۳۷۰ [۴۷] 〃 〃 : ۳ : ۳۷

[۴۸] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۲۷۷ [۴۹] ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۵ : ۲۵۵

[۵۰] 〃 〃 : ۱ : ۱۲۹ [۵۱] 〃 〃 : ۱ : ۴۹۰

(ر) کوفہ :-

(۲۸) حسن بن عمرو تمیمی : جنہوں نے ۱۴۲ھ میں وفات پائی۔ [۵۲]

(۲۹) اجلح بن عبداللہ بن حجیہ : آپ معاویہ الکندی ابو حجیہ کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔ آپ کا کوفہ کے شیعوں میں شمار ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ [۵۳]

(۳۰) جویبر بن سعید الازدی ابوالقاسم البلخی : آپ کا شمار کوفیوں میں ہوتا ہے۔ آپ نے ۱۴۰ھ اور ۱۵۰ھ کے درمیان کہیں وفات پائی۔ [۵۴]

(۳۱) عبدالملک بن ابی سلیمان : آپ کا نام میسرہ ابوسلیمان العزرمی تھا۔ آپ کوفہ کے بڑے لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ نے ۱۴۵ھ میں وفات پائی [۵۵]

(۳۲) یحییٰ بن سعید بن حیان : آپ کی کنیت ابوحیان تھی۔ آپ ثقہ اور مضبوط حافظِ حدیث تھے۔ آپ نے ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ [۵۶]

(۳۳) زکریا بن ابی زائدہ خالد بن میمون بن فیروز الہمدانی : آپ نے ۱۴۷ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ [۵۷]

(۳۴) عیسیٰ بن عمر الاسدی، الہمدانی : آپ نابینے تھے اور قرأت کے خوب عالم تھے۔ آپ نے ۱۵۶ھ میں وفات پائی۔ [۵۸]

(۳۵) مسعر بن کدام بن ظہیر بن عبیدہ الہلالی العامری : آپ مرجیہ تھے لیکن ثقہ تھے۔ آپ نے ۱۵۳ھ یا ۱۵۵ھ کے بعد وفات پائی۔ [۵۹]

(۳۶) صالح بن صالح بن حیان ابوحیان الثوری الہمدانی : آپ نے ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ [۶۰]

(۳۷) مالک بن مغول بن عاصم ابوعبداللہ البجلی الکوفی : آپ نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔ [۶۱]

---

۵۲ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۲ : ۳۱۰ ۵۳ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۱ : ۱۸۹

۵۴ 〃 〃 : ۲ : ۱۲۳ ۵۵ 〃 〃 : ۶ : ۳۹۶

۵۶ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۲۱۴ ۵۷ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۳ : ۳۰۹

۵۸ 〃 〃 : ۸ : ۲۲۲ ۵۹ 〃 〃 : ۱۰ : ۱۱۳

۶۰ 〃 〃 : ۴ : ۳۹۳ ۶۱ 〃 〃 : ۱۰ : ۳۲

(۳۸) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عتبہ الہزلی المسعودی : آپ نے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔[۶۲]

(۳۹) سفیان بن سعید بن مسروق الثوری۔ آپ حدیث میں امیر المومنین مانے جاتے تھے۔ آپ نے ۱۶۱ھ میں وفات پائی۔[۶۳] حضرت عبداللہ بن مبارک آپ سے زیادہ کسی کی فضیلت نہ دیتے تھے۔

(۴۰) حمزہ بن حبیب بن عمارہ الزیات : آپ سات نامور قرأ میں سے ایک تھے۔ آپ نے ۱۵۶ھ یا ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔[۶۴]

(۴۱) زائدہ بن قدامہ الثقفی : آپ کسی قدری یا بدعتی کو حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے۔ آپ صاحبِ سنّت تھے۔ آپ نے ۱۶۰ھ یا ۱۶۱ھ یا ۱۶۳ھ میں وفات پائی۔[۶۵]

(۴۲) یونس بن ابی اسحاق عمرو بن عبداللہ الہمدانی : آپ کی کنیت ابو اسرائیل تھی۔ آپ نے ۱۵۸ھ یا ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔[۶۶]

(۴۳) ابوبکر النہشلی الکوفی : کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد کا نام عبداللہ بن ابی القطاف اور دوسری جگہ ابوبکر بن قطاف تھا۔ آپ مرجیئہ تھے۔ نہایت ثقہ اور عابد تھے۔ آپ نے ۱۶۶ھ میں وفات پائی۔[۶۷]

(۴۴) نعیم بن میسرہ النحوی الکوفی : آپ کی کنیت ابو عمرو تھی۔ آپ رَے میں رہتے تھے۔ ربیع فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے دیکھا۔ آپ نے ۱۷۴ھ یا ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔[۶۸]

(۴۵) مفضل بن یونس الجعفی : آپ کی کنیت ابو یونس تھی۔ آپ نے ۱۷۸ھ میں وفات پائی۔[۶۹]

(۴۶) حبان بن علی العنزی : آپ شیعہ تھے۔ آپ نے ۱۷۱ھ یا ۱۷۲ھ میں وفات پائی۔[۷۰]

---

۶۲ ذہبی : تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۱۹۷ ۶۳ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۴ : ۱۱۱

۶۴ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۳ : ۲۷ ۔

۶۵ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۳ : ۳۰۶ ۶۶ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۴۳۳

۶۷ 〃 〃 : ۱۲ : ۴۴ ۶۸ 〃 〃 : ۱۰ : ۴۶۶

۶۹ 〃 〃 : ۱۰ : ۲۷۶ ۷۰ 〃 〃 : ۲ : ۱۷۳

(۴۷) عبیداللہ بن عبدالرحمٰن الاشجعی : آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن تھی۔ سفیان ثوری سے مروی احادیث کا آپ سے بڑھ کر کوفہ میں کوئی حافظ نہ تھا۔ آپ نے ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ [۷۱]

(۴۸) حسن بن عیاش بن سالم الاسدی : آپ نے ۱۷۲ھ میں وفات پائی [۷۲]

(۴۹) مطلب بن زیاد بن ابی زہیر الثقفی : آپ نے ۱۸۵ھ میں وفات پائی۔ [۷۳]

(۵۰) ابراہیم بن محمد بن الحارث بن السماء ابو اسحاق الکوفی : آپ شام آئے اور مصیصہ میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے ۱۸۵ھ یا ۱۸۶ھ یا ۱۸۸ھ میں وفات پائی۔ [۷۴]

(۵۱) عطاء بن مسلم الخفاف ابو مخلد الکوفی : آپ حلب میں گئے اور رمضان ۱۹۰ھ میں وفات پائی۔ [۷۵]

(۵۲) عبداللہ بن ادریس بن یزید بن عبدالرحمٰن الاودی : آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ آپ نہایت زاہد، عابد اور صالح تھے۔ آپ نے ۱۹۲ھ میں وفات پائی۔ [۷۶]

(۵۳) سفیان بن عیینہ بن ابی عمران میمون الہلالی : آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ مکہ میں سکونت اختیار کی اور ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ [۷۷]

(۵۴) ابوبکر بن عیاش بن سالم الاسدی : حضرت عبداللہ بن مبارکؒ آپ کی بہت تعریف کرتے تھے۔ آپ نے ۱۹۳ھ میں وفات پائی۔ [۷۸]

(۵۵) وکیع ابن الجراح ابو سفیان الروائسی : آپ عراق کے محدث تھے۔ آپ نے ۱۹۷ھ میں وفات پائی۔ [۷۹]

---

۷۱ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۷ : ۳۴ ۷۲ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۲ : ۳۱۳

۷۳ 〃 〃 : ۱۰ : ۱۷۷ -

۷۴ ابن حجر، تہذیب التہذیب : ۱ : ۱۵۱ ۷۵ ابن حجر، تہذیب التہذیب : ۷ : ۲۱۱

۷۶ 〃 〃 : ۵ : ۱۴۴ ۷۷ 〃 〃

۷۸ 〃 〃 : ۴ : ۱۱۷ ۷۹ 〃 〃 : ۱۲ : ۳۴

(۵۶) ابونعیم الفضل بن دکین : آپ طلحہ بن عبید اللہ کی آل کے آزاد کردہ غلام تھے آپ نے ۲۱۹ھ میں وفات پائی۔ [۸۰]

(۵۷) ابان بن عبداللہ بن ابی حازم بن صخر بن العیلہ البجلی الاحمسی : آپ نے ابوجعفر منصور کے دورِ حکومت میں کوفہ کے اندر وفات پائی۔ [۸۱]

(۵۸) سعید بن سنان البرجمی ابوسنان الشیبانی : آپ رَی میں رہتے تھے۔ [۸۲]

(۵۹) برید بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ الاشعری ابوبردہ الکوفی۔ [۸۳]

(۶۰) بسام بن عبداللہ الصیرفی ابوالحسن الکوفی : آپ کوفہ کے ثقہ ترین لوگوں میں سے تھے۔ [۸۴]

(۶۱) حسن بن ثابت التغلبی ابوالحسن الاحول الکوفی : آپ ابن الروز جار کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ آپ حضرت عبداللہ بن مبارک کے ہم نشینوں میں سے ایک تھے۔ [۸۵]

(۶۲) حارث بن سلیمان الکندی الکوفی : آپ کو ابن حبّان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔ [۸۶]

(۶۳) طارق بن عبدالرحمٰن البجلی الاحمسی الکوفی : [۸۷]

(۶۴) عمر بن سوید بن غیلان الثقفی : آپ کو عجلی الکوفی بھی کہا جاتا تھا۔ [۸۸]

(۶۵) فضیل بن غزوان بن جریر الضبّی : [۸۹]

(۶۶) قیس بن سلیم التمیمی العنبری الکوفی : [۹۰]

(۶۷) محمد بن سوقہ الغنوی ابوبکر الکوفی : آپ نہایت پرہیزگار اور کوفہ کے اہلِ خیار

---

۸۰ خطیب بغدادی : تاریخ بغداد : ۱ : ۳۰۷

۸۱ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱ : ۱۳۱

۸۲ ″ ″ : ۴ : ۴۵

۸۳ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱ : ۹۶

۸۴ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱ : ۴۳۴

۸۵ ″ ″ : ۲ : ۲۵۸

۸۶ ″ ″ : ۲ : ۱۴۳

۸۷ ″ ″ : ۵ : ۵

۸۸ ″ ″ : ۷ : ۴۵۸

۸۹ ″ ″ : ۸ : ۲۹۷

۹۰ ″ ″ : ۸ : ۳۹۸

ہیں سے ایک تھے۔ آپ نہایت ثقہ اور حافظ حدیث تھے۔ [۹۱]

(۶۸) محمد بن بشر بن بشیر بن معبد الاسلمی الکوفی : [۹۲]

(۶۹) محمد بن ابی الہیثم العطار الکوفی : آپ کو ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے [۹۳]

(۷۰) یحییٰ بن ایوب بن ابی زرعہ بن عمرو بن جریر البجلی الکوفی : [۹۴]

بصرہ

(۷۱) حسین بن ذکوان المعلم العوذی البصری المتوفی ۱۴۵ھ [۹۵]

(۷۲) عوف بن ابی جمیلہ العبدی الہجری ابو سہیل البصری : آپ اعرابی سے زیادہ معروف تھے۔ آپ قدریہ اور رافضیہ عقائد رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ میں وفات پائی۔ [۹۶]

(۷۳) ہشام بن حسان الازدی الفردوسی ابو عبداللہ البصری : آپ ۱۴۶ھ یا ۱۴۷ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔ [۹۷]

(۷۴) خمس بن الحسن التمیمی ابو الحسن البصری متوفی ۱۴۹ھ [۹۸]

(۷۵) سعید بن ابی عروبہ : آپ کا نام مہران البدوی تھا۔ آپ بنو عدی بن بکر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کی کنیت ابو النضر البصری تھی آپ نے ۱۵۰ھ یا ۱۵۵ھ میں وفات پائی۔ [۹۹]

(۷۶) خالد بن دینار التمیمی السعدی ابو خلدہ البصری الخیاط المتوفی ۱۵۲ھ [۱۰۰]

(۷۷) عبیداللہ بن عون بن ارطبان المزنی : آپ ثقہ اور مامون الحدیث تھے۔ آپ نے ۱۵۰ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ [۱۰۱]

(۷۸) ابو معشر البصری الاسکندرانی : آپ کا نام عبد الواحد بن ابی موسیٰ الخولانی تھا۔ آپ اسکندریہ کی طرف گئے اور وہیں قیام کر لیا یہاں تک کہ ۱۵۰ھ میں وفات پا گئے [۱۰۲]

---

۹۱ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۹ : ۲۰۹ ۹۲ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۹ : ۷۳

۹۳ 〃 〃 : ۱۱ : ۲۰۳ ۹۴ 〃 〃 : ۱۱ : ۱۸۶

۹۵ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۲ : ۳۳۸ ۹۶ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۸ : ۱۶۶

۹۷ 〃 〃 : ۱۱ : ۳۴ ۹۸ 〃 〃 : ۸ : ۴۵۰

۹۹ 〃 〃 : ۴ : ۶۳ ۱۰۰ 〃 〃 : ۳ : ۸۸

۱۰۱ 〃 〃 : ۵ : ۳۴۶ ۱۰۲ 〃 〃 : ۱۲ : ۲۴۳

(۷۹) معشام بن ابی عبداللہ الاستوائی ابوبکر البصری : آپ کپڑے فروخت کرتے تھے۔ آپ شعبہ سے قتادہ کی مرویات کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے ۱۵۲ھ یا ۱۵۳ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ [۱۰۳]

(۸۰) سلیمان بن المغیرہ ابوسعید القیسی المتوفی ۱۵۶ھ۔ [۱۰۴]

(۸۱) عیسیٰ بن طہمان بن رامہ الجشمی ابوبکر البصری : کوفہ میں رہے اور ۱۶۰ھ سے قبل وفات پاگئے۔ [۱۰۵]

(۸۲) شبعہ بن الحجاج بن الورد العتکی البصری : امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ اگر شبعہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کو کوئی جاننے والا نہ ہوتا۔ آپ نے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ [۱۰۶]

(۸۳) ربیع بن صبیح السعدی ابوبکر : آپ کی کنیت ابوحفص بھی تھی۔ آپ بنو سعد کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے ۱۶۱ھ میں وفات پائی [۱۰۷]

(۸۴) یزید بن ابراہیم ابوسعید البصری التستری : آپ بنو تمیم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے ۱۶۱ھ یا ۱۶۲ھ یا اس کے بعد وفات پائی۔ [۱۰۸]

(۸۵) ہمام بن یحییٰ بن دینار الازدی متوفی ۱۶۳ھ۔ [۱۰۹]

(۸۶) سلیمان بن المغیرہ القیسی ابوسعید البصری : آپ بنو قیس کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے ۱۶۵ھ میں وفات پائی۔ [۱۱۰]

(۸۷) اسود بن شیبان السدوسی البصری ابوشیبان المتوفی ۱۶۵ھ [۱۱۱]

(۸۸) وہیب بن خالد بن العجلان الباہلی البصری المتوفی ۱۶۵ھ/۱۶۹ھ۔ [۱۱۲]

(۸۹) حماد بن سلمہ بن دینار البصری : آپ کی کنیت ابوسلمہ تھی اور آپ بنو تمیم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ قریش کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ [۱۱۳]

---

[۱۰۳] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۴۳

[۱۰۴] ذہبی : تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۲۲۰

[۱۰۵] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۸ : ۲۱۵

[۱۰۶] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۴ : ۳۳۸

[۱۰۷] 〃 〃 〃 : ۳ : ۲۴۷

[۱۰۸] 〃 〃 〃 : ۱۱ : ۳۱۱

[۱۰۹] 〃 〃 〃 : ۱۱ : ۶۷

[۱۱۰] 〃 〃 〃 : ۴ : ۲۲۰

[۱۱۱] 〃 〃 〃 : ۱ : ۲۳۹

(۹۰) ربیع بن مسلم الجمعی ابوبکر البصری المتوفی ۱۶۷ھ۔ [۱۱۴]

(۹۱) سلام بن ابی مطیع: آپ کا نام سعد تھا۔ کنیت ابوسعید تھی اور بنو خزاعہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے ۱۶۴ھ یا ۱۶۷ھ یا ۱۷۳ھ میں وفات پائی۔ [۱۱۵]

(۹۲) السری بن یحییٰ بن ایاس بن حرملہ بن ایاس الشیبانی: آپ کی کنیت ابویحییٰ اور ابوالہیثم البصری تھی۔ آپ نے ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ [۱۱۶]

(۹۳) قاسم بن فضل بن معدان بن قریط الحدانی الازدی: آپ کی کنیت ابویحییٰ تھی۔ آپ بنی حدان میں آئے اور ۱۶۷ھ میں وفات پاگئے۔ [۱۱۷]

(۹۴) حزم بن ابی حزم مہران: آپ کو عبداللہ القطعی ابوعبداللہ البصری بھی کہا جاتا ہے۔ آپ نے ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔ [۱۱۸]

(۹۵) جریر بن حازم بن عبداللہ بن شجاع الازدی العتکی: آپ کی کنیت ابوالنصر تھی۔ وہب کے والد تھے۔ ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔ [۱۱۹]

(۹۶) حماد بن زید بن درہم الازدی الجہضمی: کنیت ابواسماعیل تھی۔ آل جریر بن حازم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۲۰]

(۹۷) یزید بن ذریع التمیمی ابوالمعاویہ البصری: آپ ثقہ اور معتبر حدیث کے راوی تھے۔ بصرہ میں ۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ یا اس کے بعد فوت ہوئے۔ [۱۲۱]

(۹۸) معتمر بن سلیمان بن طرخان التمیمی: آپ کی کنیت ابومحمد تھی۔ آپ طفیل لقب اختیار کرتے تھے۔ آپ سے حضرت عبداللہ بن المبارک نے روایت کی جو کہ آپ کے بہت قریبی تھے۔ آپ نے ۱۸۷ھ میں وفات پائی۔ [۱۲۲]

---

[۱۱۲] ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۱۱: ۱۶۹

[۱۱۳] ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۲: ۱۱

[۱۱۴] 〃 〃 : ۳: ۲۵۱

[۱۱۵] ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۴: ۲۸۲

[۱۱۶] ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۳: ۴۶۰

[۱۱۷] 〃 〃 : ۸: ۳۲۹

[۱۱۸] 〃 〃 : ۲: ۲۴۲

[۱۱۹] 〃 〃 : ۲: ۶۹

[۱۲۰] 〃 〃 : ۳: ۹

[۱۲۱] 〃 〃 : ۱۱: ۳۲۵

[۱۲۲] 〃 〃 : ۱۰: ۲۲۷

(۹۹) محمد بن الحسین الازدی المہلبی : آپ کی کنیت ابو محمد تھی۔ مصیصہ گئے آپ سے ابن مبارک نے روایت کی جو کہ آپ کے قریبی تھے۔ ۱۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۲۳]

(۱۰۰) اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم الاسدی : بنو اسد کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابو بشر البصری کنیت تھی۔ ابن علیہ کی کنیت سے زیادہ مشہور تھے۔ یہ ان کی والدہ تھیں۔ بصرہ میں صدقات کے والی بنے۔ اس کے بعد ہارون کے دورِ خلافت کے آخر میں بغداد کے والی بنے۔ ۱۹۳ھ یا ۱۹۴ھ میں وفات پا گئے۔ [۱۲۴]

(۱۰۱) عبدالرحمٰن بن مہدی اسکولوی : بنو ازد کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابو سعید البصری کنیت تھی۔ ۱۹۸ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۲۵]

(۱۰۲) ازہر بن سعد السمان ابو بکر الباہلی البصری : آپ سے عبداللہ بن مبارک نے روایت کیے جبکہ وہ ان سے بڑے تھے۔ ۲۰۳ھ میں وفات پائی۔ [۱۲۶]

(۱۰۳) ابان بن یزید العطار ابو یزید البصری : [۱۲۷]

(۱۰۴) ابو عصام المزنی البصری : کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام خالد اور عبید العتکی کے بیٹے تھے۔ آپ جب سوار ہوتے تو ابن المبارک آپ کے کپڑے درست کیا کرتے تھے۔ آپ کا اصلی وطن بصرہ تھا لیکن بعد میں مرو آ گئے۔ [۱۲۸]

(۱۰۵) عزرہ بن ثابت بن ابی زید الانصاری البصری : ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ [۱۲۹]

(۱۰۶) حریث بن السائب التمیمی الاسدی : آپ کو ہلالی، بصری اور مؤذن کی کنیت سے بھی پکارتے ہیں۔ ابن حبان نے آپ کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔ [۱۳۰]

(۱۰۷) حرب بن سریج بن المنذر المنقری ابو سفیان البصری البزاز۔ [۱۳۱]

---

۱۲۳ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۷۲

۱۲۴ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱ : ۲۷۵

۱۲۵ ذہبی : تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۲۲۹

۱۲۶ 〃 〃 : ۱ : ۲۰۲

۱۲۷ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱ : ۱۰۱

۱۲۸ 〃 〃 : ۱۲ : ۱۶۸

۱۲۹ 〃 〃 : ۷ : ۱۹۲

۱۳۰ 〃 〃 : ۲ : ۲۳۲

۱۳۱ 〃 〃 : ۲ : ۲۴۴

(۱۰۸) حاتم بن ابی صغیرہ : آپ کے والد کا نام مسلم تھا۔ آپ کی کنیت ابو یونس تھی۔ اس کے علاوہ الباہلی البصری کی نسبت سے بھی پکارے جاتے تھے۔ [۱۳۲]

(۱۰۹) خالد بن عبدالرحمٰن بن بکیر السلمی ابو امیۃ البصری : [۱۳۳]

(۱۱۰) حنظلہ بن عبداللہ : آپ کو ابن عبدالرحمٰن السدوسی اور ابو عبدالرحیم البصری کی کنیت سے پکارا جاتا ہے۔ [۱۳۴]

(۱۱۱) حمید بن الاسود بن الاشقر ابو الاسود الکرابیسی : [۱۳۵]

(۱۱۲) زیاد بن ابی مسلم : آپ کو ابن مسلم ابو عمر الفلار اور القفار البصری کی حیثیت میں بھی تذکروں میں یاد کیا گیا ہے۔ [۱۳۶]

(۱۱۳) سعید بن زید بن درہم الازدی ابو الحسن البصری جو کہ حماد بن زید کے بھائی تھے۔ [۱۳۷]

(۱۱۴) سلیمان بن علی الربعی الازدی ابو عکاشہ البصری۔ ابن حبان نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ [۱۳۸]

(۱۱۵) شداد بن سعید ابو طلحہ الراسبی البصری۔ [۱۳۹]

واسط :-

(۱۱۶) ہیثم بن بشیر بن ابی حازم ابو معاویہ السلمی الواسطی : آپ کے بخاری الاصل ہونے کے بارے میں تذکروں میں ملتا ہے۔ ابن حبان نے ثقہ قرار دیا لیکن متہم بالتدلیس ہیں۔ [۱۴۰]

(۱۱۷) حشرج بن نباتہ الاشجعی ابو مکرم الکوفی : آپ کو واسطی بھی کہا جاتا تھا۔ [۱۴۱]

موصل :-

(۱۱۸) معافی بن عمران بن نفیل بن جابر بن جبلہ بن عبید الازدی : آپ ایک فقیہہ

---

۱۳۲ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۲ : ۱۳۰ ۱۳۳ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۳ : ۱۰۲

۱۳۴ 〃 〃 : ۳ : ۶۲ ۱۳۵ 〃 〃 : ۳ : ۳۶

۱۳۶ 〃 〃 : ۳ : ۳۸۵ ۱۳۷ 〃 〃 : ۴ : ۳۲

۱۳۸ 〃 〃 : ۴ : ۲۱۲ ۱۳۹ 〃 〃 : ۴ : ۳۱۶

۱۴۰ خطیب بغدادی : تاریخ بغداد : ۱۴ : ۸۵ ۱۴۱ 〃 〃 : ۲ : ۳۷۷

اور زاہد تھے۔ عبداللہ بن مبارک نے آپ سے روایت کی جب کہ وہ بڑے تھے۔ [۱۴۲]

رَی :-

(۱۱۹) ہارون بن المغیرہ بن حکیم البجلی ابوحمزہ الرازی : ابنِ حبان نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ [۱۴۳]

مدائن :-

(۱۲۰) زبیر بن سعید بن سلیمان بن نوفل بن الحارث بن عبدالمطلب الہاشمی :- ابوالقاسم کنیت تھی۔ مدائن آئے جس کی وجہ سے المدائنی کہلائے۔ آپ نے بہت تھوڑی حدیثیں روایت کیں۔ ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ [۱۴۴]

(۱۲۱) مغیرہ بن مسلم قسملی : ابوسلمہ کنیت تھی۔ مرو میں پیدا ہوئے اور مدائن میں سکونت اختیار کی۔ ابنِ حبان نے آپ کو ثقات میں شمار کیا ہے۔ [۱۴۵]

(۱۲۲) عبدالحمید بن بہرام الفزاری المدائنی : ابنِ حبان نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے [۱۴۶]

شام (و) دمشق :-

(۱۲۳) عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر الازدی الدمشقی الدارانی المتوفی ۱۵۳ھ [۱۴۷]

(۱۲۴) ہشام بن الغاز بن ربیعہ الجرشی ابوعبداللہ: آپ کو ابوالعباس دمشقی بھی کہا جاتا ہے۔ بغداد میں پہنچے اور ۱۵۳ھ یا ۱۵۶ھ یا ۱۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۴۸]

(۱۲۵) عبدالرحمٰن عمرو بن محمد الشامی ابوعمرو الاوزاعی: فقیہہ الشام تھے۔ بیروت آئے اور ۱۵۱ھ یا ۱۵۵ھ یا ۱۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۴۹]

(۱۲۶) سعید بن عبدالعزیز : اہلِ دمشق کے فقیہہ تھے۔ ابومحمد کنیت تھی۔ ۱۶۷ھ میں وفات پائی۔ [۱۵۰]

---

۱۴۲ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۱۹۹
۱۴۳ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۱۱ : ۱۲
۱۴۴ 〃 〃 : ۳ : ۳۱۵
۱۴۵ 〃 〃 : ۱۰ : ۲۶۸
۱۴۶ 〃 〃 : ۶ : ۱۰۹
۱۴۷ ذہبی: تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۱۸۳
۱۴۸ 〃 〃 : ۱۱ : ۵۵
۱۴۹ ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۶ : ۲۳۸
۱۵۰ 〃 〃 : ۹ : ۱۵۸

(۱۲۷) خالد بن یزید بن عبدالرحمٰن بن ابی مالک ہانیٔ الہمدانی الدمشقی : ابوہاشم کنیت تھی۔ ۱۸۵ھ میں وفات پائی۔ [۱۵۱]

(۱۲۸) محمد بن شعیب بن شابور الاموی : ابو عبداللہ کنیت تھی۔ بیروت میں سکونت اختیار کی۔ آپ سے عبداللہ بن مبارک نے روایت کی اور آپ سے پہلے وفات پاگئے۔ آپ نے ۱۹۶ھ میں وفات پائی۔ [۱۵۲]

(ب) حمص :-

(۱۲۹) یحییٰ بن ابی عمرو الشیبانی : ابوزرعہ کنیت تھی۔ اوزاعی کے چچا کے بیٹے تھے۔ ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ [۱۵۳]

(۱۳۰) ثور بن یزید بن زیاد الکلاعی : آپ الرحبی ابوخالد الحمصی بھی پکارے جاتے تھے اس لیے کہ آپ قدریہ عقائد رکھتے تھے۔ آپ نے ۱۵۰ھ یا ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ [۱۵۴]

(۱۳۱) سعید بن سنان ابومہدی الحنفی : آپ الکندی الحمصی کی نسبت سے بھی یاد کیے جاتے ہیں۔ [۱۵۵]

(۱۳۲) اسماعیل بن عیاش بن سلم العنسی : ابوعتبہ الحمصی کنیت تھی۔ ۱۸۱ھ یا ۱۸۲ھ میں وفات پائی۔ [۱۵۶]

(۱۳۳) عتبہ بن ابی حکیم الہمدانی : ابوعباس کنیت تھی۔ طبریا میں آئے اور ۱۴۸ھ میں میں وفات پائی۔ [۱۵۷]

جزیرہ :

(۱۳۴) عمرو بن میمون بن مہران الجزری : ابوعبداللہ کنیت تھی۔ ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ [۱۵۸]

(۱۳۵) جعفر بن برکان الکلابی : بنو کلاب کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کوفہ آئے اور ۱۵۰ھ

---

[۱۵۱] ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۴ : ۵۹ — [۱۵۲] ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۳ : ۱۲۶

[۱۵۳] 〃 〃 〃 : ۹ : ۲۲۲ — [۱۵۴] 〃 〃 〃 : ۱۱ : ۲۶۰

[۱۵۵] 〃 〃 〃 : ۲ : ۳۳ — [۱۵۶] 〃 〃 〃 : ۴ : ۴۶

[۱۵۷] 〃 〃 〃 : ۱ : ۳۲۲ — [۱۵۸] 〃 〃 〃 : ۵ : ۹۴

یا ۱۵۱ھ یا ۱۵۴ھ میں وفات پاگئے۔ [۱۵۹]

(۱۳۶) حسن بن عمر : آپ ابن عمرو بن یحییٰ الفزاری سے مشہور تھے۔ الوالیح الرقی کے آزادکردہ غلام تھے۔ سنہ ۱۸۱ھ میں وفات پائی۔ [۱۶۰]

(۱۳۷) محمد بن عبداللہ بن علاقہ بن مالک بن عمرو بن عویمر عقیلی جزری الوالیسیر الحرانی القاضی : اہلِ حران میں سے تھے۔ بغداد آئے اور سنہ ۱۶۳ھ یا ۱۶۸ھ میں وفات پائی۔ [۱۶۱]

حجاز (۱) مدینہ

(۱۳۸) حسین بن عبداللہ بن عبداللہ بن عباس الہاشمی متوفی سنہ ۱۴۰ھ / سنہ ۱۴۱ھ [۱۶۲]

(۱۳۹) یحییٰ بن سعید الانصاری : مدینہ کے قاضی رہے۔ پھر منصور کے دور میں قاضی القضاۃ رہے۔ سنہ ۱۴۲ھ میں وفات پائی۔ [۱۶۳]

(۱۴۰) عبیداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم : ابوعثمان کنیت تھی۔ سات نامور فقہاء میں سے ایک تھے۔ سنہ ۱۴۴ھ یا ۱۴۵ھ یا ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ [۱۶۴]

(۱۴۱) موسیٰ بن عبیدہ بن نشیط بن عمرو : ابوعبدالعزیز کنیت تھی۔ سنہ ۱۵۲ھ یا سنہ ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ [۱۶۵]

(۱۴۲) ضحاک بن عثمان بن عبداللہ الاسدی : ابوعثمان کنیت تھی۔ سنہ ۱۵۳ھ میں میں فوت ہوئے۔ [۱۶۶]

(۱۴۳) اسامہ بن زید اللیثی : سنہ ۱۵۳ھ میں وفات پائی۔ [۱۶۷]

(۱۴۴) عبدالحمید بن جعفر بن عبداللہ الانصاری : ابوالفضل کنیت تھی مگر ابوحفص بھی کہا جاتا۔ سنہ ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۶۸]

---

۱۵۹ خطیب بغدادی : تاریخ بغداد : ۱۲ : ۱۸۸

۱۶۰ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۲ : ۸۴

۱۶۱ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۲ : ۲۰۹

۱۶۲ 〃 〃 : ۹ : ۲۶۹

۱۶۳ 〃 〃 : ۲ : ۳۴۱

۱۶۴ ذہبی : تذکرۃ الحفاظ : ۱ : ۱۳۷

۱۶۵ 〃 〃 : ۷ : ۳۸

۱۶۶ ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱۰ : ۳۵۶

۱۶۷ 〃 〃 : ۴ : ۴۴۶

(۱۴۵) عمر بن محمد بن زید بن عبداللہ المدنی : عسقلان آئے اور وہیں لڑائی میں تھے اور ۱۵۴ھ میں وہیں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ [۱۶۹]

(۱۴۶) مصعب بن ثابت بن عبداللہ بن الزبیر بن العوام الاسدی المتوفی : ۱۵۸ھ۔ [۱۷۰]

(۱۴۷) افلح بن سعید الانصاری ابو محمد القبائی المدنی : بنو نصر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۱۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۷۱]

(۱۴۸) محمد بن عبدالرحمٰن بن المغیرہ القرشی العامری : ابوالحارث کنیت تھی۔ مدینہ کے فقہاء اور عباد میں شمار ہوتے تھے۔ ۱۵۸ھ یا ۱۵۹ھ میں وفات پا گئے۔ [۱۷۲]

(۱۴۹) مخرمہ بن بکیر بن عبداللہ بن الاشج القرشی : بنو مخزوم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابوالمسور کنیت تھی۔ ۱۵۸ھ یا ۱۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۷۳]

(۱۵۰) عبداللہ بن زید بن اسلم العدوی : ابو محمد کنیت تھی۔ عمر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۱۶۴ھ میں وفات پائی۔ [۱۷۴]

(۱۵۱) فلیح بن سلیمان بن ابی المغیرہ الخزاعی : آپ اسلمی ابو یحییٰ المدنی بھی بولے جاتے تھے۔ زید بن خطاب کی آل کے آزاد کردہ غلام تھے۔ فلیح کے لقب سے زیادہ مشہور ہیں۔ آپ کا اصل نام عبدالملک تھا۔ آپ نے ۱۶۸ھ کو وفات پائی۔ [۱۷۵]

(۱۵۲) سلیمان بن بلال تیمی قرشی : بنو قریش کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابو محمد کنیت تھی ابوایوب المدنی سے بھی مشہور تھے۔ مدینہ میں ۱۷۲ھ یا ۱۷۷ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۷۶]

(۱۵۳) مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الاصبحی : ابو عبداللہ المدنی کنیت تھی۔ اور امام دارالہجرۃ کے لقب سے مشہور تھے۔ ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔ [۱۷۷]

---

[۱۶۸] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۱ : ۲۰۸

[۱۶۹] ابن حجر : تہذیب التہذیب : ۶ : ۱۱۱

[۱۷۰] 〃 〃 〃 : ۷ : ۴۹۵

[۱۷۱] 〃 〃 〃 : ۱۰ : ۱۵۸

[۱۷۲] 〃 〃 〃 : ۱ : ۳۶۷

[۱۷۳] 〃 〃 〃 : ۹ : ۳۰۳

[۱۷۴] 〃 〃 〃 : ۱۰ : ۷۰

[۱۷۵] 〃 〃 〃 : ۵ : ۲۲۲

[۱۷۶] 〃 〃 〃 : ۸ : ۳۰۳

(۱۵۴) عبداللہ بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب : آپ ایک زاہد شخص تھے۔ ۱۸۴ھ میں فوت ہوگئے۔ [۱۷۸]

مکہ :-

(۱۵۵) شہل بن عباد المکی القاری : ۱۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۷۹]

(۱۵۶) حنظلہ بن ابی سفیان بن عبدالرحمٰن بن صفوان بن امیۃ الجمحی المتوفی ۱۵۱ھ۔ [۱۸۰]

(۱۵۷) عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج الاموی : ۱۴۹ھ یا ۱۵۰ھ یا ۱۵۱ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۸۱]

(۱۵۸) عثمان بن الاسود بن موسیٰ بن باذان المکی : بنی جمح کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۱۴۹ھ یا ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۸۲]

(۱۵۹) یعقوب بن عطاء بن ابی رباح : آپ بنو قریش کے آزاد کردہ غلام تھے ۱۵۵ھ میں وفات پائی۔ [۱۸۳]

(۱۶۰) سیف بن سلیمان : آپ کو ابن ابی سلیمان مخزومی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ ابوسلیمان المکی کے آزاد کردہ غلام تھے۔ عمر کے آخری حصے میں بصرہ آئے۔ آپ کو قدری ہونے کا الزام دیا جاتا ہے۔ آپ ۱۵۵ھ یا ۱۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۸۴]

(۱۶۱) عبدالعزیز بن ابی داؤد : آپ کا نام میمون تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ ایمن بن بدر تھا۔ مہلب بن ابی صفرہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ مکہ میں ۱۵۹ھ میں وفات پائی [۱۸۵]

(۱۶۲) معروف بن مشکان المکی : آپ کا لقب باقی الکعبہ اور کنیت ابوولید تھی ۱۶۵ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۸۶]

(۱۶۳) نافع بن عمر بن عبداللہ بن جمیل بن عامر الجمحی متوفی ۱۶۹ھ [۱۸۷]

---

[۱۷۷] ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۴: ۱۷۵

[۱۷۸] ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۱۰: ۵

[۱۷۹] 〃 〃 〃 : ۵: ۳۰۴

[۱۸۰] 〃 〃 〃 : ۴: ۳۵

[۱۸۱] 〃 〃 〃 : ۳: ۶۰

[۱۸۲] 〃 〃 〃 : ۶: ۴۲

[۱۸۳] 〃 〃 〃 : ۷: ۱۰۷

[۱۸۴] 〃 〃 〃 : ۱۱: ۳۹۲

[۱۸۵] 〃 〃 〃 : ۱۱: ۳۹۲ -

[۱۸۶] ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۴: ۳۹۴

[۱۸۷] ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۹: ۳۳۸

(۱۶۴) داؤد بن عبدالرحمٰن العطار العبدی المکی : آپ کی کنیت ابوسلیمان تھی۔ مکہ کے فقیہہ تھے۔ ۱۷۴ھ یا ۱۷۵ھ میں فوت ہوئے۔ ۱۸۸ھ

(۱۶۵) ابراہیم بن نافع المخزومی المکی : کنیت ابواسحاق تھی۔ ابن حبان نے آپ کا ذکر ثقات میں کیا ہے۔ ۱۸۹ھ

(۱۶۶) عبداللہ بن عمرو بن علقمہ الکنانی المکی : ابن حبان کے نزدیک ثقہ ٹھہرے ہیں۔ ۱۹۰ھ

(۱۶۷) عمر بن سعید بن ابی حسین النوفلی : ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہیں۔ ۱۹۱ھ

طائف :۔

(۱۶۸) یحییٰ بن سلیم قرشی : ابومحمد اور ابوزکریا کنیت تھیں۔ ابن المبارک نے آپ سے روایت کی لیکن آپ سے پہلے فوت ہو گئے۔ آپ ۱۹۳ھ یا ۱۹۴ھ یا ۱۹۵ھ میں فوت ہوئے۔ ۱۹۲ھ

(۱۶۹) وبرہ بن ابی دلیلہ : اصل نام مسلم الطائفی تھا۔ ابن حبان نے ثقہ کہا ہے ۱۹۳ھ

(۱۷۰) عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن یعلی : آپ کو ابویعلی الثقفی کی کنیت سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ۱۹۴ھ

شیوخِ مصر

(۱۷۱) موسیٰ بن ایوب بن عامر الغافقی : ۱۵۳ھ میں فوت ہوئے۔ ۱۹۵ھ

(۱۷۲) قباث بن رزین بن حمید بن صالح بن اصرم اللخمی : ابوہاشم المصری پکارے جاتے تھے۔ ۱۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ ۱۹۶ھ

(۱۷۳) حیوٰۃ بن شریح بن صفوان : کنیت ابوزرعہ تھی۔ ایک کامل فقیہہ اور زاہد تھے۔ ۱۵۸ھ یا ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔ ۱۹۷ھ

۱۸۸ھ المرجع السابق : ۱۰ : ۲۳۲ ۱۸۹ھ المرجع السابق : ۱۰ : ۴۰۹

۱۹۰ھ 〃 : ۳ : ۱۹۲ ۱۹۱ھ 〃 : ۱ : ۱۷۴

۱۹۲ھ 〃 : ۵ : ۳۳۹ ۱۹۳ھ 〃 : ۷ : ۴۵۳

۱۹۴ھ 〃 : ۱۱ : ۲۲۶ ۱۹۵ھ 〃 : ۱۱ : ۱۱۰

۱۹۶ھ المرجع السابق : ۱۰ : ۳۳۶ ۱۹۷ھ المرجع السابق : ۸ : ۳۴۳

(۱۷۴) حرملہ بن عمران بن قراد التجیبی : ابو حفص کنیت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مبارک آپ کے بارے فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حرملہ نے بتایا جو اہلِ دل میں سے ایک تھے۔ آپ نے ۱۶۰ھ میں وفات پائی۔ [۱۹۸]

(۱۷۵) عیاش بن عقبہ بن کلیب بن تغلب الحضرمی : ابو عقبہ کنیت تھی۔ ۱۶۰ھ میں فوت ہوئے۔ [۱۹۹]

(۱۷۶) ابراہیم بن فشیط بن یوسف ابو علانی : آپ کو خولانی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ ابو بکر مصری کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۱۶۱ھ اور بعض کے ہاں ۱۶۳ھ میں فوت ہوئے۔ [۲۰۰]

(۱۷۷) سعید بن ابی ایوب : نام مقلاص خزاعی تھا۔ ابو یحییٰ بصری کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ۱۶۱ھ اور بعض کے ہاں ۱۶۶ھ میں فوت ہوئے [۲۰۱]

(۱۷۸) موسیٰ بن علی بن رباح اللخمی : ابو عبدالرحمٰن کنیت تھی۔ ابن سعد نے مصر کے چوتھے طبقہ میں آپ کا شمار کیا ہے۔ ۱۶۳ھ میں اسکندریہ کے اندر فوت ہوئے۔ [۲۰۲]

(۱۷۹) یحییٰ بن ایوب الغافقی : ابو العباس کنیت تھی۔ ۱۶۸ھ میں وفات پائی۔ [۲۰۳]

(۱۸۰) عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ الغافقی : ابو عبدالرحمٰن کنیت تھی۔ فقیہہ اور قاضی تھے۔ ۱۷۰ھ یا ۱۷۴ھ میں وفات پائی۔ [۲۰۵]

(۱۸۱) لیث بن سعد بن عبدالرحمٰن الفہمی : ابو الحارث کنیت تھی۔ حدیث میں ثقہ، معتبر اور کثیر الحدیث تھے۔ آپ نے ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔ [۲۰۶]

(۱۸۲) رشدین بن سعد بن مفلح بن ہلال المہری : ابو الحجاج کنیت تھی۔ اور ۱۸۸ھ میں وفات پائی۔ [۲۰۷]

اسکندریہ

(۱۸۳) سعید بن یزید الحمیری القتبانی : کنیت ابو شجاع الاسکندرانی تھی۔ ۱۵۴ھ

---

[۱۹۸] ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۳ : ۶۹
[۱۹۹] ابن حجر: تہذیب التہذیب : ۲ : ۲۲۹
[۲۰۰] 〃 〃 : ۸ : ۱۹۸
[۲۰۱] 〃 〃 : ۱ : ۱۷۵
[۲۰۲] 〃 〃 : ۴ : ۷
[۲۰۳] 〃 〃 : ۱۰ : ۲۶۳

میں وفات پائی۔ ۲۰۸ھ

(۱۸۴) طلحہ بن ابی سعید الاسکندرانی : کنیت ابو عبدالملک تھی۔ بنی قریش کے آزاد کردہ غلام تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کا اصلی وطن مدینہ تھا۔ آپ نے ۱۵۷ھ میں وفات پائی۔ [۲۰۹]

(۱۸۵) عبدالرحمٰن بن شریح بن عبداللہ المعافری : کنیت ابو شریح الاسکندرانی مشہور تھی۔ ۱۶۸ھ میں وفات پائی۔ [۲۱۰]

(۱۸۶) عمارہ بن عبدالرحمٰن الاسکندرانی : آپ ثقہ شیخ تھے۔ ابن ابی حاتم نے آپ کا ذکر کیا ہے۔ [۲۱۱]

ایلہ :-

(۱۸۷) یونس بن یزید بن ابی النجار : بعض کے ہاں ابن مشکان بن ابی النجار الایلی ابو یزید کنیت تھی۔ معاویہ بن سفیان کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابن المبارک آپ پر بڑا ناز کرتے تھے۔ آپ نے ۱۵۹ھ میں وفات پائی۔ [۲۱۲]

یمن :-

(۱۸۸) معمر بن راشد الازدی : ابو عروہ البصری کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یمن کی سکونت تھی۔ رمضان میں وفات پائی۔ سالِ وفات ۱۵۲ھ / ۱۵۳ھ یا ۱۵۴ھ تھا۔ [۲۱۳]

(۱۸۹) رباح بن زید القرشی : حضرت عبداللہ بن المبارک آپ کے بڑے مداح تھے۔ آپ نے ۱۸۷ھ میں وفات پائی۔ [۲۱۴]

(جاری ہے)

۲۰۵ھ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۵ : ۲۷۳

۲۰۶ھ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۸ : ۴۵۹

۲۰۷ھ 〃 〃 : ۲ : ۲۷۷

۲۰۸ھ 〃 〃 : ۴ : ۱۰۱

۲۰۹ھ 〃 〃 : ۵ : ۱۶

۲۱۰ھ 〃 〃 : ۶ : ۱۹۳

۲۱۱ھ مقدمہ کتاب الزہد والرقائق : ۲

۲۱۲ھ 〃 〃 : ۱۱ : ۴۵۰

۲۱۳ھ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۱۰ : ۲۴۳

۲۱۴ھ ابن حجر: تہذیب التہذیب: ۳ : ۲۳۳